اکادمی ادبیات پاکستان

پاکستانی
ادب کے
معمار

حجاب امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

پاکستانی ادب کے معمار

حجاب امتیاز علی تاج
شخصیت اور فن

پاکستانی ادب کے معمار

حجاب امتیاز علی تاج
شخصیت اور فن

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

اکادمی ادبیات پاکستان

نگرانِ اعلیٰ	:	فخر زمان
منتظم	:	ڈاکٹر راشد حمید
تدوین وطباعت	:	سعیدہ درانی
اشاعت	:	2010
تعداد	:	500
ناشر	:	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	:	العصر پرنٹر پریس، اسلام آباد
قیمت	:	مجلد:-/240روپے
		غیر مجلد:-/230روپے

ISBN: 978-969-472-205-4

" Hijab Imtiaz AliTaj: Shakhseyat our Fun"

Compiled By

Dr. Ghafoor Shah Qasim

Publisher

Pakistan Academy of Letters

Islamabad,Pakistan

فہرست

پیش نامہ

پاکستانی زبانوں میں ہمارے مشاہیر نے پاکستانی ادب کے حوالے سے جو کام کیا ہے کسی بھی بین الاقوامی ادب کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے ان مشاہیر کے علمی وادبی کام اور اُن کی حیات کے بارے میں معلومات کو کتابی صورت میں لانے کے لیے پاکستانی ادب کے معمار کے نام سے اشاعتی منصوبہ شروع کیا ہے جس کے تحت پاکستانی زبانوں کے مشاہیر پر کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔

اردو افسانے کے منظرناموں میں حجاب امتیاز علی تاج کا نام بہت معتبر خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے افسانے اسالیب اور ندرتِ اظہار کے اعتبار سے اردو ادب میں علاحدہ طور شناخت کیے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے اردو کے افسانوی ادب کو بہت ثروت مند بنایا ہے۔ بلاشبہ ان کے مضامین بھی تخلیقی زمرے میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں

اسی اشاعتی منصوبے کی پیش نظر کتاب حجاب امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن'' اکادمی ادبیات پاکستان کی درخواست پر معروف محقق ڈاکٹر غفور شاہ قاسم نے تالیف کی ہے۔ اس کتاب سے یقیناً اہل ادب اور عام قاری حجاب امتیاز علی تاج کی فن وشخصیت سے بہتر طور پر آگاہ ہوسکیں گے۔

یہ کتاب حجاب امتیاز علی تاج کے بارے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت کی حامل ہوگی۔ امید ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کے اشاعتی منصوبے ''پاکستانی ادب کے معمار'' کی کتاب ''حجاب امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن'' کو ملک اور بیرون ملک یقیناً پسند کیا جائے گا۔

فخر زمان

پیش لفظ

حجاب امتیاز علی تاج بیسویں صدی کے افسانوی اور انشائی ادب کی توانا تخلیقی آواز ہیں۔ افسانہ نگاری اور تخلیقی انشا پردازی میں بصری رومانویت اور طلسماتی واقعیت نگاری کی فنی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اپنے یکتا اور دل آویز اسلوبِ نگارش کی بدولت اُردو کے نسائی ادب میں حجاب کا ایک ممتاز مقام متعین ہو چکا ہے۔ اُن کی تخلیقات اور نگارشات اُردو نثر کی تاریخ اور ارتقا کی اہم کڑی ہیں۔

حجاب کے افسانے اُن لطیف نسائی جذبات اور احساسات کا اظہار ہیں جنھیں صرف ایک خاتون ادیبہ ہی محسوس کر سکتی ہیں انہوں نے اپنے افسانوں میں فلسفہ اور نفسیات کے پیچیدہ مضامین کو نہایت سہل افسانوی رُوپ دے دیا ہے۔

حجاب امتیاز علی تاج ایک افسانہ نگار اور مضمون نویس ہونے کے علاوہ عمدہ ناول نگار اور روزنامچہ نویس بھی ہیں۔ اس مختصر کتاب میں حجاب کی تمام تر ادبی حیثیات کو اختصار مگر جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

معلومات افزا اور تحقیقی حوالے سے جہت نُما اکادمی ادبیات پاکستان کا اشاعتی منصوبہ ''پاکستانی ادب کے معمار'' نہایت قابل تحسین اقدام ہے۔ اس منصوبے کے توسط سے پاکستان کے ممتاز تخلیق کاروں اور قلمکاروں کے احوال و آثار محفوظ ہوتے جا رہے ہیں۔ یقیناً آئندہ کے تحقیق کاروں کے لیے یہ سیریز نہایت مفید اور معاون ثابت ہوگی۔

حجاب امتیاز علی تاج کی شخصیت اور فن کے حوالے سے یہ کتاب تحریر کرنے کے لیے اکادمی

ادبیات کے چیئرمین مکرمی فخر زمان نے مجھ پر جس اعتماد کا اظہار فرمایا ہے راقم اس کے لیے اُن کا سراپا سپاس گزار ہے۔ جن احباب نے اس ادبی منصوبے کو پایہء تکمیل تک پہنچانے میں راقم کی معاونت فرمائی راقم اُن کا بھی ممنون ہے۔ علم و ادب کے گہرے شعور سے متصف برادرم عزیز الرحمٰن (لکی کمپوزر میانوالی) کا خصوصی شکریہ میرا سب سے مقدم فریضہ ہے، جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب اور تہذیب میں میرے ساتھ بھرپور تعاون فرمایا۔

رابطے اور رہنمائی کے لیے میں محترمہ سعیدہ دُرانی صاحبہ، ڈپٹی ڈائریکٹر (اکیڈمک) کا بھی دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

خاندانی پس منظر

حجاب کے پردادا سید فتح محمد 1800 میں ہندوستانی فوج کی بیسویں بٹالین (17 رجمنٹ) مارتھا انفنٹری میں صوبیدار تھے۔ حجاب کے دادا سید محمد علی 1820 کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ شروع شروع میں وہ برٹش انڈین آرمی کے برطانوی افسران کے اُردو فارسی معلم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 1859 میں وہ سالٹ سپرنٹنڈنٹ بنا دیے گئے۔ تین برس بعد انہیں ڈپٹی کلکٹر آف ٹیکسز کی حیثیت سے ترقی دے دی گئی۔ 1876 میں انہیں شدید سن سٹروک ہوا، جس کی وجہ سے ان کی یادداشت اور بصارت بُری طرح متاثر ہوئی اور انہیں مجبوراً ریٹائرمنٹ لینا پڑی۔ سید محمد علی کے دو بیٹے سید محمد اسماعیل، سید محمد اسحٰق اور دو بیٹیاں تھیں۔ (1)

حجاب کے والد سید محمد اسماعیل نظام حیدر آباد کی سول سروس میں انڈر سیکرٹری تھے اور انہوں نے قبل از وقت اپنی ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ ان کی اہلیہ عباسی بیگم 1928 میں وفات پا گئی تھیں۔ حجاب کے والد سید محمد اسماعیل کا انتقال 5/اپریل 1934 کو ہوا۔ (2) سید محمد اسماعیل سُر سنگیت کے دل دادہ تھے۔ ان کا اپنا ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس سے ظاہر ہے کہ کتب بینی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ حیدر آباد کی اشرافیہ سے ان کے نہایت خوش گوار تعلقات تھے۔ ان کے تعلق داروں میں کامرس منسٹر سر محمد یعقوب اور سید سجاد حیدر یلدرم جیسے ممتاز لوگ شامل تھے۔ وہ ایک شفیق باپ اور محبت کرنے والے شوہر تھے۔ حجاب اپنے والد کے بارے میں لکھتی ہیں:

''میرے والد کو ہنگامے کی زندگی پسند تھی۔ ان کے تین شوق تھے۔ موسیقی، سمندری کشتیوں میں شکار کھیلنا اور ضیافتیں ۔۔۔ میرے والد کو موسیقی، باغبانی اور پھولوں کا جنون تھا۔ ۔ میرے والد فُرصت کے لمحوں میں دلرُبا بھی بجایا کرتے تھے۔''(3)

سید محمد اسماعیل کی پہلی اہلیہ شہزادی بیگم تھیں۔ یہ کل پانچ بہنیں اور تین بھائی تھے۔ ان کی بہنوں

کے نام آمنہ بیگم، فاطمہ بیگم، سعیدہ بیگم اور رضیہ بیگم تھے۔ جب کہ ان کے بھائیوں کے نام میر عباس علی، میر ملائم علی اور میر شجاعت علی تھے۔ حجاب کی نانی کا نام سعیدہ بیگم تھا۔ حجاب کی والدہ عباسی بیگم سید محمد اسماعیل کی دوسری بیوی تھیں۔ سید محمد اسماعیل کی پہلی اہلیہ شہزادی بیگم سے ایک بیٹی تھی جس کا نام ذکیہ بیگم تھا۔ پہلی اہلیہ کے انتقال پر سید محمد اسماعیل نے اپنی انہی اہلیہ کی بھانجی عباسی بیگم سے شادی کرلی۔ عباسی بیگم کی چار بہنیں اور تین بھائی تھے۔ ان کی دوسری بہنوں کے نام خیر النساء بیگم، رابعہ سلطان بیگم، صفیہ بیگم اور فاطمہ بیگم تھے۔ جب کہ ان کے بھائیوں کے نام ایم یوسف علی، ایم محبوب علی اور ایم حامد علی تھے۔ سید محمد اسماعیل کی زوجہء دوم عباسی بیگم سے صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام عطیہ بیگم رکھا گیا۔ یہی عطیہ بیگم حجاب اسماعیل اور بعد ازاں حجاب امتیاز علی کے قلمی نام سے معروف ہوئیں۔ (4)

حجاب کے ننھیال کا تعلق نرساپور ضلع کرشنا سے تھا۔ حجاب کی والدہ عباسی بیگم اپنے زمانے کی مشہور ناول نگار اور مضمون نگار تھیں۔ ان کا ناول زہرا بیگم اور فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ گل صحرا ان کے علمی ادبی ذوق کا عکاس ہے۔ (5)

حجاب اپنی والدہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"میری والدہ کو مطالعہء گیت اور مضمون نگاری کا شوق بچپن سے تھا۔ اس زمانے کی ادبی دنیا میں وہ کافی شہرت رکھتی تھیں۔ میری والدہ عباسی بیگم نے اس زمانے کے تقریباً تمام رسالوں میں مضامین لکھے۔ ان کی ملنے والی اور قلمی دوستوں میں مسز نذر سجاد حیدر، عطیہ فیضی، زہرا فیضی اور حیدر آباد دکن کی مشہور شخصیت مسز سروجنی نائیڈو ہوا کرتی تھیں۔ وہ تمام دن ایک دریچے کے آگے بیٹھی لکھنے میں مصروف رہتی تھیں۔ آج بھی ان کا تصور کرتی ہوں تو وہ ہمیشہ مجھے گلابی رنگ کے لباس میں بیٹھی لکھتی نظر آتی ہیں۔" (6)

حجاب کا خاندان ہمیشہ علم وادب سے وابستہ رہا۔ حجاب کے نانا سید محمد علی بلگرامی علم وادب کے جویا تھے۔ وہ دکن میں عرصہ دراز تک تحصیلدار رہے۔ (7)

حجاب کے خسر شمس العلما مولوی سید ممتاز علی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ہم درس تھے۔ سر سید احمد خان، مولانا الطاف حسین حالی، مولوی محمد حسین آزاد،

مولوی ذکا اللہ اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ادب و انشا میں وہ مولوی محمد حسین آزاد کو اپنا استاد مانتے تھے۔ انہوں نے دارالاشاعت پنجاب کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ کی بنیاد رکھی اور 1898 میں خواتین کے پہلے رسالہ تہذیب نسواں کا اجرا کیا۔ سید ممتاز علی ایک اہم علمی شخصیت تھے۔ متعدد اعلیٰ درجے کی علمی اور ادبی کتابیں انہوں نے لکھیں جن میں سرِ فہرست تفصیل البیان فی مقاصد القرآن ہے۔۔ مولوی صاحب مسلمانوں کے نہایت ہمدرد اعلیٰ پائے کے مصنف، زبردست انشا پرداز، طبقہء نسواں کے محسن، بچوں کے نہایت شفیق، اسلامیات کے فاضل اور تعلیمات کے ماہر تھے۔ اسی وجہ سے آپ سال ہا تک مسلم یونیورسٹی کورٹ علی گڑھ کے رکن اور پنجاب یونیورسٹی کے سینٹ کے ممبر رہے۔ آپ کو انگریزی حکومت کی طرف سے 1934 میں شمس العلما کا خطاب ملا۔ (8)

حجاب کی خوش دامن محترمہ سیدہ محمدی بیگم کے بارے ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھتے ہیں:

''تاج کی والدہ محترمہ سیدہ محمدی بیگم دہلی کی رہنے والی اور سید احمد شفیع ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی صاحبزادی تھیں۔۔ کہانیوں، لوریوں اور نظموں کی متعدد کتابیں محمدی بیگم نے تاج کے لیے لکھیں۔۔ محمدی بیگم نے خاص ماؤں کے لیے بھی ایک ماہوار رسالہ 1904 میں نکالا تھا، جس کا نام مشیرِ مادر تھا، جس میں ماؤں کے لیے نہایت مفید ہدایات اور مضامین درج ہوتے تھے۔'' (9)

حجاب کے شوہر سید امتیاز علی تاج شمس العلما مولوی ممتاز علی کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان سے بڑی سوتیلی بہن سیدہ وحیدہ بیگم کے انتقال کے بعد مولوی سید ممتاز علی نے 1897 میں سیدہ محمدی بیگم سے دوسرا نکاح کیا، جس سے 13 ر اکتوبر 1900 میں سید امتیاز علی تاج پیدا ہوئے۔ دورانِ تعلیم ہی تاج نے اپنے والد شمس العلما مولوی ممتاز علی کی اجازت سے نہ صرف تہذیب نسواں اور پھول کی ادارت کے فرائض انجام دیے بلکہ ستمبر 1918 میں ایک ادبی ماہنامہ کہکشاں جاری کیا۔ آپ نے گورنمنٹ کالج میں اپنے دورانِ تعلیم اُردو ادب کا شاہکار ڈراما 'انارکلی' 1933 میں لکھا۔ زمانہ طالب علمی ہی میں تاج صاحب کو ڈراما نگاری کے ساتھ ساتھ مضمون نویسی کا بھی شوق تھا اور ان کے مضامین اُردو کے معیاری میں شائع ہونے لگے تھے۔

پھول میں انہوں نے مزاحیہ مضامین کا سلسلہ چچا چھکن کے زیرِ عنوان شروع کیا۔ تاج نے افسانے بھی لکھے۔ ڈرامے پر تحقیق بھی کی۔ فلم سازی کا شغف بھی کیا اور دس سال تک مجلسِ ترقی ادب کے ناظم رہے۔ آپ کو حکومت پاکستان کی جانب سے آپ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ستارہ ءامتیاز کے اعزاز سے نوازا گیا۔ (10)

حجاب شادی سے پیشتر ہی ایک افسانہ نگار اور مضمون نویس کی حیثیت سے ادبی دنیا میں متعارف ہو چکی تھیں۔ تاج نے ان سے مسابقت کے بجائے ان کی معاونت کی اور ان کی انفرادیت کو اپنے متوازی برقرار رکھا، بلکہ وہ اپنی تخلیقات سب سے پہلے اپنی بیگم کو سنا کر اس کی رائے لیتے اور اسے اپنا ادبی مشیر کہا کرتے تھے۔ اس کی کسی فرمائش کو نہ ٹالتے حتیٰ کہ جب حجاب نے ہوابازی سیکھنے کے شوق پر 1935 کے سستے زمانے میں لاکھوں روپے صرف کر ڈالے تو ان کی جبین پر شکن تک نہ آئی۔ (11)

تاریخ پیدائش

حجاب اپنی اصل تاریخ پیدائش کو کسی نفسیاتی سبب سے پوشیدہ رکھنے کی خواہاں تھیں۔ اس لیے ان کی زندگی کے دوران اور موت کے بعد بھی ان کی اصل تاریخ پیدائش متنازعہ رہی ہے۔ مختلف محققین نے ان کی تاریخ پیدائش 1903 سے لیکر 1920 تک بیان کی ہے۔ اپنی زندگی میں وہ تاریخ پیدائش کے سوال کو کبھی سخت الفاظ سے اور کبھی نہایت خوبصورت انداز میں ٹال جایا کرتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے نام ایک مکتوب میں لکھتی ہیں:

''میں نے عہد کر رکھا ہے کہ میں اپنی عمر کبھی کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ تحریرات پڑھیں، کھوج لگانے کا فائدہ؟ اس سے شخصی اسرار متاثر ہوتا ہے۔'' (12)

ابرار احمد عابی نے اپنے ایم اے اُردو کے مقالہ کے ضمن میں حجاب سے انٹرویو کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے جب ان کی تاریخ پیدائش کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے سختی سے کہا کہ میں اس سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔ وجہ دریافت کی تو حجاب امتیاز نے کہا ''اگلا سوال''۔

مِس انور مرزا حجاب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی قطعی اور حتمی رائے دینے سے قاصر

رہی ہے۔ البتہ ایک اندازے سے ان کا سن پیدائش 1913 بتایا ہے۔(13)

مِس نسیم بانو لکھتی ہیں:

''تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی ٹھوس معلومات فراہم نہیں ہوسکیں۔ جب اس بارے میں حجاب سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے نہایت دلکش مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ اس بارے میں میں کسی کو نہیں بتاتی ہوں۔''(14)

نسیم بانو کا خیال ہے کہ جب محترمہ حجاب کی والدہ عباسی بیگم کا انتقال 1932 میں ہوا تو اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔ اس لیے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا سن ولادت 1919 یا 1920 ہے۔(15)

ڈاکٹر مجیب احمد خان جنہوں نے دہلی یونیورسٹی سے ''حجاب امتیاز علی فن و شخصیت'' کے زیرِ عنوان پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے وہ حجاب کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''حجاب امتیاز علی 1915 میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں۔''(16)

مرزا حامد بیگ نے اپنی معروف کتاب اُردو افسانے کی روایت میں حجاب کی تاریخ پیدائش کا تعین کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یلدرم کے بے تکلف سہرے اور مختلف افسانہ نگاروں کی یادداشتوں کے مطابق حجاب کی تاریخ ولادت لگ بھگ 1903 ٹھہرتی ہے۔ جبکہ حجاب نے تا حال اپنی تاریخ پیدائش سے کسی کو آگاہ نہیں کیا۔''(17)

علیم صبا نویدی کا خیال ہے کہ حجاب وانم باڑی ہی میں غالباً 1907 میں پیدا ہوئی۔(18) جہاں تک سرکاری دستاویزات کا تعلق ہے، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں ان کی تاریخ پیدائش 8 نومبر 1918 درج ہے۔(19) ان کے انتقال پر انگریزی اخبار ''ڈان'' میں جو خبر چھپی، اس میں بھی ان کی تاریخ پیدائش 8 نومبر 1918 بتائی گئی۔(20) اس بارے میں محمد احمد سبزواری لکھتے ہیں:

''انگریزی اخبار ''ڈان'' نے پاسپورٹ کے حوالے سے ان کی پیدائش کی تاریخ 8 نومبر 1918 بتائی۔ انہوں نے ہوابازی کا سرٹیفکیٹ 1936 میں حاصل کیا۔ گویا اس وقت ان کی عمر 18 سال تھی۔ یہ اس لیے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان

کی شادی بہت ہی کم عمری میں ہوگئی تھی۔ اس میں شبہے کی گنجائش یوں ہے کہ مولوی ممتاز علی کم سنی کی شادیوں کے خلاف تھے۔ لہٰذا وہ خود اپنے بیٹے کی شادی کسی کم عمر لڑکی سے کرنے پر کیسے راضی ہو سکتے تھے۔ دوسرے اس زمانے میں ساردا ایکٹ نافذ ہو چکا تھا جس میں لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کی عمر کا تعین کر دیا گیا تھا۔" (21)

حجاب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں پائے جانے والے ان تضادات اور ابہامات کی وجہ سے نہ صرف ان کی ادبی اور فنی عمر کا تعین نہیں کیا جا سکتا بلکہ نہایت کم عمری یعنی گیارہ سال کی عمر میں ان کا پہلا افسانہ لکھنے کا دعویٰ بھی معرضِ نزاع بنتا رہا ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتی رہی ہیں کہ میں اپنے اپنا پہلا افسانہ میری ناتمام محبت گیارہ سال کی عمر میں لکھا۔ معروف ناول نگار اور حجاب کے خاندان کی قرابت دار قرۃ العین حیدر نے اس رائے کا اظہار کیا ہے:

"میرا قیاس ہے، جس وقت انہوں نے یہ افسانہ لکھا ان کی عمر 18 سال کی رہی ہوگی۔" (22)

حجاب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں ان تضادات نے راقم کے تحقیقی تجسس کو تحریک دی اور راقم نے صحیح تاریخ پیدائش تک پہنچنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ حجاب کی صحیح تاریخ پیدائش تک رسائی کی تفصیل یہ ہے۔

راقم کو جب حجاب کے نواسے علی طاہر سے ایک انٹرویو کے دوران معلوم ہوا کہ ان کے ابو نعیم طاہر (حجاب کے داماد) کو حجاب کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم ہے۔ ان دنوں نعیم طاہر امریکا میں مقیم تھے۔ چنانچہ ان سے انٹرنیٹ پر رابطہ کیا اور ان سے حجاب کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم کرنے کی مقدور بھر کوشش کی مگر وہ اس گفتگو میں تاریخ پیدائش بتانے پر مائل نہ ہو سکے۔ بعد ازاں جب وہ پاکستان تشریف لائے تو ان کی لاہور کی رہائش گاہ پر راقم نے ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں حجاب کے بارے میں بہت سے استفسارات ہوئے اور آخر میں صحیح تاریخ پیدائش جاننے کی خواہش کی۔ خاصی طویل بحث (جس میں یاسمین طاہر اور ان کے بڑے بیٹے مہران طاہر بھی موجود تھے) کے بعد انہیں تحقیقی ضروریات کا احساس دلاتے ہوئے صحیح تاریخ پیدائش بتانے پر آمادہ کر لیا۔ نعیم طاہر بتاتے ہیں:

"حجاب کی بڑی بہن ذکیہ کاظم علی بے حد حقیقت پسند اور حق گو خاتون تھیں۔ انہوں نے

ایک مرتبہ میرے استفسار پر نہایت رازدارانہ انداز میں بتایا کہ بی بی (حجاب) کی صحیح تاریخ پیدائش 4 نومبر 1908 ہے۔ وہ مزید بتاتے ہیں کہ انتقال سے کوئی دو برس قبل میں نے امی (حجاب) کو بمشکل ان کی صحیح تاریخ پیدائش اس شرط پر بتانے پر رضامند کرلیا کہ اس سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا جائے گا۔ طاہر کے بقول امی نے بھی اپنی تاریخ پیدائش 4 نومبر 1908 بتائی جوان (حجاب) کے بقول ان کے والد کی ذاتی ڈائری میں درج ہے۔" (23)

حجاب کے خاندانی بزرگ اکبر علی (حجاب کے ماموں زاد بھائی) نے راقم کو ایک ٹیلی فونک گفتگو میں بتایا کہ میرے خیال میں حجاب کی تاریخ پیدائش نومبر 1908 ہے۔ (24)

18 مارچ 1999 کو حجاب کی وفات کے موقع پر مختلف اخبارات نے اگر چہ ان کی تاریخ پیدائش تو ان کے پاسپورٹ کے مطابق 8 نومبر 1918 لکھی تاہم ان کی وفات کے وقت عمر 91 برس بتائی۔ ان حقائق کی روشنی میں طے پایا کہ حجاب امتیاز علی کی صحیح تاریخ پیدائش 4 نومبر 1908 ہے۔

جائے پیدایش

مورخین ادب اور حجاب کے تقریباً تمام سوانح نگاروں نے متفقہ طور پر حیدرآباد دکن کو حجاب کی جائے پیدائش قرار دیا ہے۔ تاہم علیم صبا نویدی نے حجاب کی جائے پیدائش کے حوالے سے ان تمام مورخوں اور محققوں سے اختلاف رائے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حجاب امتیاز کی ولادت بڑی پیٹ وانم باڑی (ضلع شمالی آرکاٹ) میں 1907 میں ہوئی۔۔ بعض احباب کا خیال ہے کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب کے حیدرآباد کے قیام کے دوران ہی حجاب کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی ہے مگر یہاں یہ بات مشہور ہے کہ حجاب وانم باڑی ہی میں غالباً 1907 میں پیدا ہوئیں اور راقم کا بھی یہی اندازہ ہے۔" (25)

حجاب کے ماموں زاد اکبر علی نے راقم کو بتایا کہ علیم صبا نویدی کی لکھی ہوئی بات درست ہے۔ وہ حیدرآباد دکن میں نہیں بلکہ بڑی پیٹ وانم باڑی (ضلع شمالی آرکاٹ، ریاست تامل ناڈو) میں پیدا ہوئی تھیں۔ وانم باڑی Kolar Gold Field کا سرحدی قصبہ ہے۔ یہ قصبہ بنگلور اور مدراس (چنائی) کو ملانے والی سڑک پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج بنگال واقع ہے۔ (26)

بچپن اور تعلیم

حجاب کی مختلف نگارشات اور مصاحبوں کے علاوہ حجاب پر لکھے گئے مقالات سے ان کے بچپن کے حالات اور تعلیمی مدارج کے بارے میں مستند معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

حجاب امتیاز علی کے ابتدائی ایام حیات آرام وسکون اور فراوانی عیش وعشرت کے ایام تھے۔ یہ وہ دن تھے جب روزانہ رات کے کھانے پر دعوت کا سا سماں ہوتا تھا۔ کھانے کی میز پر چاندی کے برتن اور گلاب کے پھول سجے ہوتے تھے اور گھر کے مکین روزمرہ کھانے کے اوقات پر دعوتی لباسوں میں ملبوس ہو کر میز پر آیا کرتے تھے۔ خادمائیں بیگمات کی خدمت پر مامور ہوتی تھیں۔ (27)

حجاب نے اپنے بچپن کا ابتدائی حصہ دریائے گوداوری کے ساحل پر گزارا، کیونکہ ان دنوں حیدرآباد دکن میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے سینکڑوں افراد لقمہء اجل بن رہے تھے۔ چنانچہ حجاب کے اہل خانہ کو یہ جگہ عارضی طور پر چھوڑ کر جنوبی ساحل پر قیام کرنا پڑا۔ اس ضمن میں حجاب کی ایک اہم تحریر کا یہ قدرے طویل اقتباس ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''میرے بچپن کا ابتدائی زمانہ جنوب میں دریائے گوداوری کے ہوشربا کناروں پر گزرا۔ ان کناروں کو میں نے ہوشربا کیوں کہا، یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے یہ بتاتی ہوں کہ مجھے وہاں رہنے کا اتفاق کن حالات میں ہوا۔ ایک زمانے میں موسم سرما میں عموماً حیدرآباد دکن میں طاعون کی وبا ایسے ہولناک طریق پر پھیل جاتی تھی کہ دنوں میں سینکڑوں اور ہفتوں میں ہزاروں خاندان موت کے گھاٹ اتر جاتے تھے۔ ایک عرصے کے لیے گھر بار چھوڑ کر کسی نئی جگہ جانا ایک مرحلہ بن گیا تھا۔ چنانچہ میرے والد مرحوم کو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ کچھ عرصے کے لیے جنوبی ساحل پر اقامت پذیر ہو جائیں۔ اس طرح مجھے ایک مدت تک اپنے خوابوں کے جزیرے میں رہنا پڑا۔ یہ وہ پرستانی مقام تھا جہاں کے زمین و آسمان کے درمیان حسن وشاعری کا ایک ابدی چشمہ اُبلتا رہتا تھا۔ ایک طرف کنول کے پھولوں کے مہکتے ہوئے تالاب دور تک فردوس نظر بنے ہوئے تھے تو دوسری طرف دھان کے گہرے سبز لہلہاتے ہوئے کھیت صاحب نظر کو

دعوت نظارہ دیتے تھے۔ اس میں کہیں کہیں کیوڑے کے عطر بیز جنگل کھڑے تھے جن کی ہوش رُبا نکہتوں سے وارفتہ ہو کر چاندنی راتوں میں سیاہ پھن والے ناگ اپنے اپنے ٹھکانوں سے بیتابانہ باہر نکل آتے تھے۔ تو کہیں تاڑ کے دیو قامت درختوں پر مے خواری کے متوالے کوے تاڑی کی شراب پی کر بدمست ہو جاتے اور شور مچایا کرتے تھے"۔۔ وہ اسی تحریر میں مزید لکھتی ہیں کہ "جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ شاعری نہیں بلکہ خالص حقیقت ہے۔ یقین نہ آئے تو آپ آج ہی جا کر میرے بچپن کے اس پرستان کی سیر کر آیئے۔ وہ ضلع کرشنا میں ساحل گوداوری پر واقع ہے اور کا نام فرساپور ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں میں نے خزاؤں اور بہاروں میں امتیاز کرنا سیکھا۔" (28)

اس رومان پرور ماحول نے حجاب کے بچپن کی صورت گری میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔

حجاب امتیاز علی نے بچپن میں اپنے والد سید محمد اسماعیل کے ساتھ بہت سے مقامات کی سیاحت کا لطف اٹھایا۔ کیونکہ ان کے والد کو سرکاری دوروں کے سلسلے میں مختلف جگہوں پر جانا پڑتا تھا۔ حجاب بھی ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ حجاب کی طبیعت نے سیر و سیاحت سے خوشگوار اثرات قبول کیے۔ حجاب امتیاز علی کی قریبی دوست نثار عزیز بٹ ماہِ نو لاہور کے لیے حجاب کا انٹرویو لیتے ہوئے انہیں ان الفاظ میں متعارف کراتی ہیں:

"حجاب کو بچپن میں ایک وسیع القلب اور روشن خیال باپ کی شفقت اور ادبی ذوق رکھنے والی والدہ کی ممتا ملی۔ حجاب کا گھریلو ماحول نہایت مہذب اور رومانوی تھا۔ جسے وہ خود کٹورین فضا سے یاد کرتی ہیں۔" (29)

حجاب اپنی تعلیم کے بارے میں ایک انٹرویو میں بتاتی ہیں:

"میری زیادہ تر تعلیم انگریزی ماحول کے کانونٹ سکول میں ہوئی جس کے نتیجے میں مجھے انگریزی زبان کے کئی معروف مصنفین پڑھنے کا موقع ملا۔" (30)

حجاب پر تحقیق کرنے والی پہلی خاتون مس انور مرزا کے بقول:

"حجاب امتیاز علی کی ابتدائی تعلیم و تربیت تو گھر پر ہوئی لیکن بعد میں وہ مدراس کے سینٹ تھامس کانونٹ سکول میں داخل ہو گئیں اور سینئر کیمبرج کیا۔" (31)

سوانح

حجاب نے بالائی طبقے کے رُومان پرور اور پریوں کی کہانیوں کے خوابیدہ ماحول کی آغوش میں پرورش پائی۔ بچپن ہی سے گہرے رنگوں، نفیس خوشبوؤں سے لبریز رومانوی اور دلکش فضا نے حجاب کی شخصیت کو انتہائی رومانوی بنا دیا۔ انہیں بچپن میں زندگی کی تمام رنگینیاں اور ناقابلِ یقین فراوانی میسر آئی۔ والد محترم کا وسیع کتب خانہ ان کے تصرف اور تحویل میں تھا۔ اس سے وہ بھرپور استفادہ کرتی رہیں۔ آپ کی والدہ اور خالائیں اپنے زمانے کی مشہور اہلِ قلم خواتین تھیں۔ والدہ کی تخلیقات اپنے زمانے کے مشہور خواتین کے جریدے تہذیب نسواں میں چھپتی رہتی تھیں۔ اس زمانے میں حجاب دُنیاوی غم و آلام کے مفہوم سے ناآشنا تھیں۔ انہیں مالی آسودگی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور قلبی طمانیت بھی میسر تھی۔ اس پُرسکون ماحول نے حجاب کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

لکھنے کا آغاز

والدہ کی دیکھا دیکھی حجاب نے بھی لکھنے کا آغاز کیا۔ انہوں نے اپنی عمر سے بڑی ایک سہیلی کی خوشامد کر کے کہانیاں لکھوائیں۔ کیونکہ انہیں خود اس وقت لکھنا نہیں آتا تھا۔ اپنی والدہ کا ذکر کرتے ہوئے حجاب خود بتاتی ہیں:

"انہیں (والدہ) تمام وقت تحریری مشاغل میں مصروف دیکھ کر اکثر میرا جی بھی قلم سے کھیلنے کو چاہنے لگا۔ مجھے لکھنا تو بہت بعد میں آیا لیکن کہانیوں کے خاکے بہت پہلے سے ذہن میں چکر لگاتے رہتے تھے۔ میں نے اپنی بڑی بہن کی ایک سہیلی کو جو عمر میں مجھ سے بہت بڑی تھیں خوشامد کر کے اس بات پر کسی نہ کسی طرح رضامند کر لیا تھا کہ میں جو کہانی بھی لکھواؤں وہ لکھتی جائیں۔ چنانچہ یوں میں نے کئی کہانیاں لکھوا کر ضائع کر دیں۔" (32)

حجاب اپنے لکھنے پڑھنے کی ابتدا کے بارے میں وہ تصویرِ بتاں میں خود لکھتی ہیں:

"اس زمانے میں میرے ایک خالو کو طلسم ہوشربا پڑھنے کا جنون تھا اور وہ یہ جادوئی قصے میرے دوسرے ماموں کو جب سنایا کرتے تھے تو وہ میں غور سے سنا کرتی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے یہ قصے بچوں کے سننے کے قابل نہیں ہیں۔ اس سے میرا اشتیاق اور زیادہ

بڑھ جاتا تھا اور میں کسی نہ کسی طرح دیوؤں اور پریوں کے قصے سن ہی لیا کرتی تھی۔ شاید یہیں سے مجھے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔" (33)

1926 سے لے کر 1935 تک ان مضامین کے علاوہ حجاب کے افسانے بھی تہذیب نسواں، ساقی، دلکش اور نیرنگِ خیال میں چھپتے رہے۔ بعد ازاں ان کے افسانے ماہ نو، ادبِ لطیف، نقوش اور تجدیدِ نو میں بھی چھپے۔ علاوہ ازیں کئی دوسرے ادبی جرائد میں بھی حجاب کے افسانے اشاعت پذیر ہوئے۔

علامہ اقبال سے ملاقات

حجاب کی زندگی میں وقوع پذیر ہونے والے جن واقعات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے ان میں ایک واقعہ 1929 میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال سے ملاقات ہے۔ مسلم ایجوکیشنل ایسوی ایشن کی دعوت پر علامہ اقبال جنوبی ہند میں لیکچر دینے تشریف لے گئے۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے حجاب کے والد سید محمد اسماعیل کے نام دعوت نامہ آیا۔ اس موقع پر حجاب نے اپنے والد سے اصرار کیا کہ وہ ان کی بھی علامہ اقبال سے ملاقات کرائیں۔ چنانچہ وہ اس پر رضا مند ہو گئے۔ حجاب نے اس ملاقات کا احوال تفصیلاً تحریر کیا ہے۔ اس کی تلخیص درج ذیل ہے:

"میں والد محترم کے ساتھ اس سے ایک اسٹیشن پہلے بیسن برج پر اقبال کے استقبال کے لیے گئی۔ میں نے انگریزی لباس پہنا ہوا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ علامہ اقبال سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔ مجھے یہ بات بھی عجیب لگی کہ علامہ اقبال نے پنجابی شلوار پہن رکھی تھی۔ کُرتے پر واسکٹ اور پاؤں میں دیسی جوتی تھی۔ میرے والد نے ان سے میرا تعارف کرایا اور بتایا کہ سینٹ تھامسن کانونٹ میں پڑھتی ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کانونٹ میں عیسائیت کا مجھ پر کتنا اثر ہوا۔ میں نے جواب دیا تھوڑا بہت۔ پھر میں نے علامہ سے کچھ سوالات پوچھے۔ انہوں نے رسمی گفتگو کے دوران فرمایا کہ میرا نام شیریں ہونا چاہیے تھا۔ گفتگو کے دوران مدراس کا لمبا چوڑا پُر شور اسٹیشن آ گیا۔ یہاں پہنچ کر میرے والد محترم اور میں نے علامہ اقبال کو الوداع کہا۔ بہت ہی

خوش خوش گھر پہنچی۔ اب مجھے شاعرِ مشرق کا لباس اور دیسی جوتیاں بُری نہ لگتی تھیں کیونکہ ان کی گفتگو بہت شائستہ اور دلچسپ تھی۔" (34)

علامہ اقبال سے متعلق حجاب کی یہ تحریر سب سے پہلے نومبر 1969 میں مجلہ اقبال میں چھپی۔ بعدازاں ہفت روزہ فیملی میگزین نومبر 2000 کے شمارے میں اس کی مکرر اشاعت ہوئی۔

والدہ کی وفات

حجاب امتیاز علی کی زندگی کا ایک اور اہم موڑ ان کی والدہ محترمہ کا انتقال ہے۔ ان کی شفیق والدہ اور دوست عباسی بیگم 24 فروری 1928 کو انتقال کر گئیں۔ (35) اس وقت حجاب کی عمر تقریباً 20 برس تھی۔ ماں کی رحلت نے حجاب کے ذہن پر غم کے ایسے نقوش ثبت کیے کہ وہ آیندہ تین برسوں تک ماتم کی کیفیت میں رہیں۔ شفیق باپ نے ہر طرح سے ان کا دل بہلانے کی کوشش کی اور غم غلط کرنے کے لیے سیر وسیاحت میں مشغول رکھنے کی کوشش کی۔ والدہ کی محبت اور شفقت سے محرومی کے بعد حجاب صاحبہ خود کو انتہائی تنہا محسوس کرنے لگیں۔ انہوں نے تنہائی کو دور کرنے اور سکونِ قلب کے لیے قلم کا سہارا لیا۔ ادبی مشاغل میں گم ہو کر اس غم فراق اور غم تنہائی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں وہ پہلی مرتبہ نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہوئیں اور شاید ہمیشہ اس کیفیت میں مبتلا رہتیں مگر انہیں مطالعہ اور لکھنے کے شوق نے مستقل اعصابی مریض بننے سے بچا لیا۔

روحانیت سے دلچسپی

"۔۔۔ مجھے روحانیت سے دلچسپی پیدا ہو گئی ۔ ہمارے ملنے والوں میں بھی دوچار مجھ جیسے ستم رسیدہ مفقود الحواس موجود تھے۔ جن کے پیاروں کو موت کے خوں خوار شاہین نے آ دبوچا تھا۔ ان میں سے ایک میرے والد کے سیلونی دوست جسٹس اکبر تھے۔ جن کی بیوی کا انہی دنوں انتقال ہوا تھا اور وہ بھی بے حد الم ناک طریق پر۔ وہ جہاز میں کولمبو سے مدراس آ رہے تھے کہ ان کی بیوی رستے میں سمندر میں گر پڑی اور ڈوب گئی۔ ایک اور صاحب انگلستان سے نئے نئے آئے تھے۔ جن کی والدہ ان کی

عدم موجودگی میں چل بسی تھی۔ غرض اس زمانے میں ہم چاروں کچھ اس قسم کے مصیبت زدہ پناہ گیر معلوم ہوتے تھے جن کا جہاز طوفانِ غم کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا ہو اور وہ کسی اجنبی ساحل پر ڈوبنے جا پہنچے ہوں۔۔۔ چنانچہ ہم نے پلانچٹ پر روحوں کو بلانے کا عمل شروع کر دیا۔۔۔ ایک دفعہ پلانچٹ پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری والدہ نے اپنا غم غلط کرنے کی ایک تدبیر بتائی ہے یعنی کہانیاں لکھنا۔'' (36)

منگنی اور شادی

اب ہم آتے ہیں تاج اور حجاب کے رشتہء ازدواج کے واقعات کی طرف۔

حجاب کی منگنی اور پھر شادی سے قبل ایک واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ قابل ذکر ہے۔ حجاب کی زبان میں متعلقہ جملے دیکھیے:

''میری امتیاز سے خط و کتابت تھی۔ ایک بار یوں ہوا کہ میں نے امتیاز کو خط لکھا تو انہوں نے اس کا جواب نہ دیا۔ دوسرا خط لکھا تو اس کا جواب بہت دیر سے آیا۔ تب تک میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اس شخص سے تعلقات منقطع کر لوں۔۔۔ میں کچھ ایسی ہی ہوں۔ جو فیصلہ کر لیتی ہوں اس پر فوراً عمل کرنے لگتی ہوں۔ امتیاز کے کئی خط آئے، میں نے کسی کا جواب نہ دیا۔ پطرس کو تو آپ جانتے ہی ہیں نا۔۔۔ امتیاز نے پطرس سے ذکر کیا۔ پطرس نے امتیاز کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا ڈراما انارکلی شائع کروائیں اور اسے حجاب کے نام معنون کر دیں۔۔۔ امتیاز نے انارکلی کو شائع کیا اور اسے میرے نام سے معنون کر دیا۔ مجھے کتاب ملی تو ساری رنجشیں ختم ہو گئیں۔ امتیاز کی زندگی میں ہی انارکلی کو کلاسیک کو رتبہ دے دیا گیا تھا اور یہ معمولی بات نہیں۔۔۔ میں اس انتساب کے حوالے سے امتیاز کی ہمیشہ ممنون رہوں گی۔'' (37)

سید امتیاز علی تاج کو بیگم حجاب سے بڑی محبت تھی۔ ان کی چاہت کا سلسلہ شادی سے دو برس پہلے شروع ہوا جب انہوں نے اپنی منگیتر حجاب کو روزانہ طویل جذباتی خط لکھنا شروع کیے۔ اس زمانے کی اپنی ایک بے قرار دوپہر کے بارے میں تاج حجاب کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''کوشش کی کہ ایک نامکمل افسانہ مکمل کرلوں۔ایک ناول جوعرصہ سے شروع کررکھا ہے اسے پڑھ ڈالوں لیکن آپ نے کچھ کرنے نہ دیا۔ساری دوپہر ستاتی رہیں۔آپ نے تو جیسے قسم کھالی ہے کہ اسے کبھی آرام سے نہ بیٹھنے دوں گی۔''(38)

حجاب کی منگنی اور بعدازاں تاج سے شادی کے واقعات کوسلیم ملک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''تاج کے والد مولوی ممتاز علی کو پنجاب کی سکونت اختیار کیے طویل عرصہ گزر چکا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ انہوں نے یہاں کی معاشرت یا زبان اختیار نہ کی۔ اپنی دونوں شادیاں اُردو بولنے والے گھرانوں میں کیں۔اپنی صاحبزادی وحیدہ بیگم کا عقد مرادآباد کے وکیل سرمحمد یعقوب سے کیااوراپنے بڑے صاحبزادے حمید علی کی شادی بھی مرادآباد کے ایک خانوادے میں کی۔اس طرح تاج کی شادی بھی لاہور سے باہر کے کسی اُردو بولنے والے شریف خانوادے میں کرنے کی جستجو شروع ہوئی۔اس کے لیے اعزہ و اقارب نے دہلی،لکھنؤ،مرادآباداور سہارن پور کے اعلیٰ خاندانوں میں کئی برتلاش کیے، کوئی رشتہ معیار پر پورا نہ اُترتا تھا۔اس زمانے میں تاج کے بہنوئی سر محمد یعقوب ایک بار کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے مدراس گئے تو وہاں حضور نظام گورنمنٹ کے انڈر سیکرٹریٹ سید محمد اسماعیل کی صاحبزادی حجاب اسماعیل کو دیکھ کر اسے تاج کے لیے پسند کرلیااور واپس آ کر مولوی ممتاز کواپنی اس رائے سے آگاہ کیا۔کچھ عرصہ بعد علی گڑھ یونیورسٹی کے رجسٹرار سجاد حیدر یلدرم اپنے کسی دفتری کام کے لیے مدراس گئے تو سید محمد اسماعیل اور حجاب اسماعیل سے خصوصیت سے ملے اور واپس آ کر سر محمد یعقوب کی تجویز سے اتفاق کیا۔اب شمس العلماء مولوی ممتاز علی نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعے سید محمد اسماعیل سے اپنے چھوٹے صاحبزادے تاج کے لیے حجاب کا رشتہ مانگا۔سید محمد اسماعیل کے تامل کے پیشِ نظر تاج نے مدراس جاکر دوہفتے قیام کیا۔وہاں سید محمد اسماعیل ان کی شخصی جاذبیت اور علمی لیاقت سے متاثر ہوئے اور اس طرح تاج اور حجاب کی اپریل 1932 میں منگنی ہوئی۔''(39)

اس شادی کی مکمل تفصیلات مولانا عبدالمجید سالک نے اپنے کتاب 'سرگزشت' میں بیان کی ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''آخر 31 مارچ 1934 شادی کی تاریخ قرار پائی۔چونکہ لاہور سے مدراس تک کا فاصلہ بہت زیادہ تھا، امتیاز کے والد محترم ضعیف و علیل تھے، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس لیے اعزہ نے یہی قرار دیا کہ ''بارات'' کی کوئی ضرورت نہیں۔امتیاز اپنے کسی بے تکلف دوست کو لے کر مدراس چلے جائیں اور شادی کر کے دلہن کو لائیں۔چنانچہ قرعہء فال سید احمد شاہ کے نام نکلا جو آج کل ویسٹ پاک پبلشرز کے مالک ہیں۔احمد شاہ اور امتیاز مدراس چلے گئے۔نکاح و شادی کی رسوم ادا ہوئیں اور دولہا دلہن ہنسی خوشی لاہور پہنچ گئے۔'' (40)

اس شادی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم ملک لکھتے ہیں:

''تاج کی والدہ بہت عرصہ پہلے انتقال کر چکی تھیں اور ان کے والد ضعیف العمر اور صاحب فراش تھے۔اس لیے تاج کے ایک ہم عمر اور ہم مذاق سید احمد شاہ کو دولہا کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔سید محمد اسماعیل ان دنوں مدراس چھوڑ کر اپنی بڑی صاحبزادی ذکیہ کاظم علی کے ہاں ''بلہاری'' اٹھ آئے تھے۔اس لیے 31 مارچ 1934 کو شادی کی رسوم ادا کی گئیں۔اس موقع پر سجاد حیدر یلدرم نے سہرہ پڑھا۔شادی کے تین روز بعد 3 اپریل کو دلہن کی رخصتی ہوئی اور 5 اپریل کو اسی عروسی جوڑے کو لاہور پہنچے ابھی چند گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے حجاب امتیاز علی کے والد سید محمد اسماعیل کے انتقال کی جاں گداز اطلاع ملی۔سارا کنبہ غم گرفتہ دلہن کی دل جوئی میں مصروف ہو گیا۔تاج اور حجاب دونوں بلہاری واپس چلے گئے اور 10 اپریل کو دلیمہ منسوخ کر دیا گیا۔''(41)

عائلی زندگی

شادی کے بعد حجاب کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ ان کے یہاں بچی کی پیدائش ہے۔ 24 جولائی 1935 کو ان کی اکلوتی بیٹی یاسمین پیدا ہوئی۔

حجاب کی ہوا بازی

حجاب کی شادی کے بعد کا ایک اہم واقعہ حجاب کی ہوابازی ہے۔حجاب مجیب احمد خان کو ایک مکتوب میں لکھتی ہیں:

''بچی چھ مہینے کی تھی جب میں نے سیکھنا (ہوابازی) شروع کیا تھا۔ بچی کے پاس اس کی انگریز گورنس رہتی تھی۔ میری عدم موجودگی میں وہی اس کو سنبھالتی تھی۔ میں نے فورسڈ لینڈنگ بھی کی تھی۔''(42)

اس شوق کی تکمیل کے لیے حجاب 1935 میں لاہور کے نادرن انڈیا فلائنگ کلب کی ممبر بنی اور ہوابازی کا اے(A) گریڈ لائسنس حاصل کرکے اونچی اُڑان کا ریکارڈ توڑ دیا۔(43) اس وقت کلب میں تین سو ممبران تھے جن میں سے بائیس فلائنگ ممبر تھے۔حجاب ان میں سے ایک تھیں۔انہیں فیڈریشن ایروناٹک انٹرنیشنل برٹش امپائر نے ایوی ایٹر سرٹیفکیٹ جس کا نمبر 568، 11 جون 1936 کو عطا کیا۔عام طور پر تنہا پروازوں کے لیے 40 گھنٹوں کی فلائنگ ضروری ہوتی ہے لیکن حجاب کو 21 گھنٹے کی فلائنگ کے بعد سولو فلائیٹ کے قابل قرار دے دیا گیا۔(44)

حجاب کا کہنا ہے:

''ان دنوں میرے پائلٹ بننے کی خبریں یورپ کے مختلف اور یہاں کے سارے اخبارات میں شائع ہوئیں۔میں سلطنتِ برطانیہ کی واحد مسلم پائلٹ عورت قرار دی گئی۔''(45)

فلم بینی

تاج کے ہمراہ انہوں نے بہت سی فلمیں دیکھیں۔ وہ دیکھی جانے والی فلم کا نام بھی اپنی ڈائری میں لکھتیں اور ساتھ یہ بھی کہ ان دنوں دیکھی جانے والی شمار کے لحاظ سے یہ کتنے نمبر کی فلم تھی۔انہوں نے کئی فلموں کو بارِ دگر بھی دیکھا۔

ناسازئ طبع

1942 کے دوران حجاب عمومی طور پر یاسیت اور قنوطیت کی کیفیت میں مبتلا رہیں۔ ان

کے کان میں بھی درد رہتا تھا، ارتعاش نظری اور سر چکرانے کا عارضہ بھی لاحق رہا۔ ڈاکٹر محمد افضل، ڈاکٹر وِگ، ڈاکٹر بشیر اور ڈاکٹر منچندہ اس عرصے میں ان کے معالج رہے۔

اس زمانے میں حجاب امتیاز علی ہومیوپیتھک ڈاکٹر جے چندر اور حکیم ظفریاب علی کے بھی زیرِ علاج رہیں۔ شدید سرگرانی اور کان میں شدید تکلیف 43-1942 کے زمانے میں حجاب کو لاحق امراض تھے۔ جس کی وجہ سے وہ موت کے خوف میں مبتلا رہتی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ قنوطیت زدہ بھی۔ اسی زمانے میں وہ سکون بخش دوا ''برومائیڈس'' تواتر سے استعمال کرتی رہیں۔ حجاب امتیاز علی تاج ماہر امراض گوش ڈاکٹر رمضان علی سید کے بھی ایک عرصہ تک زیرِ علاج رہیں۔

حجاب پابندی سے روزنامچہ لکھتی تھیں۔ اس روزنامچہ سے حجاب کے ان دنوں کے جن معمولات سے آگاہی ہوتی ہے وہ یہ ہیں کہ وہ نماز پڑھتی ہیں اور قرآن مجید کی مختصر ترین تلاوت بھی کرتی ہیں۔ کبھی ایک سطر اور کبھی زیادہ سے زیادہ پانچ سطریں۔ وہ تاج کے ساتھ تاش اور یاسمین کے ساتھ کیرم کھیلتی تھیں۔ شام کی چہل قدمی ان کا معمول تھا۔ (46)

لاہور میں قیام

شادی کے بعد حجاب لاہور منتقل ہوئیں تو پہلے پہل اپنے شوہر کے ساتھ 3۔ بہاولپور روڈ والے مکان میں رہتی تھیں اور بعد ازاں وہ 40۔ ایبٹ روڈ لاہور منتقل ہوگئیں۔ 40۔ ایبٹ روڈ (جہاں تاج قتل ہوئے) کے بعد وہ لالہ زار کالونی راولپنڈی (اپنے داماد اور بیٹی کے ہاں) مقیم رہیں۔ لاہور کی وہ رہائش گاہیں جہاں وہ اپنے انتقال تک یکے بعد دیگرے رہائش پذیر رہی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

> 27۔ شوکت حیات کالونی، 48۔ ایل، گلبرگ III، 98۔ ڈی، ماڈل ٹاؤن، 212۔ ڈی، ماڈل ٹاؤن، 122۔ بی، ماڈل ٹاؤن

امتیاز علی تاج کا سانحہ قتل

حجاب اور تاج کے مابین ازدواجی تعلق تقریباً 35 برس تک قائم رہا۔ وہ ایک دوسرے کو شدت سے چاہتے تھے۔ ان کے درمیان ہمیشہ گہرا جذباتی رشتہ استوار رہا۔ اپنی والدہ کی موت کے گہرے

صدمے کے بعد حجاب کو اپنے رفیق حیات کی الناک موت کے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس صدمے کے اثرات عمر بھر ان کے ذہن پر برقرار رہے۔ یاسمین طاہر کے بقول وہ روزانہ رات اس وقت جاگ پڑا کرتی تھیں جس وقت تاج پر حملہ ہوا تھا۔ وہ اپنے روزنامچہ میں تمام دن کے احوال لکھنے سے قبل یہ ضرور لکھا کرتی تھیں کہ آج تاج کو قتل ہوئے اتنے دن گزر چکے ہیں۔ (47)

18 اور 19 اپریل 1970 کی درمیانی رات تاج پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ اگلے روز انتقال فرما گئے۔ اس سانحہ کے ضمن میں ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھتے ہیں:

''سید امتیاز علی تاج کو 18 اور 19 اپریل 1970 کی درمیانی شب دو نامعلوم نقاب پوش حملہ آوروں نے چاقوؤں کے پے در پے وار کر کے زخمی کر دیا اور آپ 19 اپریل 1970 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ 18 اپریل کو ساڑھے گیارہ بجے میں تاج صاحب کے پاس بیٹھا تھا اور ہم کلاسیکی ڈراموں کے متون پر ہی کام کر رہے تھے کہ تاج صاحب نے اپنے مخصوص الفاظ میں کہا ''مولانا! اپن کو اجازت دیجیے، ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے۔ انشاء اللہ پیر کو بشرطِ زندگی ملاقات ہوگی۔'' 18 اپریل کو ہفتہ اور 19 اپریل کو اتوار کا دن تھا۔ میں 19 اپریل کو چھٹی کے دن علی الصبح کوئی اخبار دیکھے بغیر کسی گھریلو کام کے سلسلے میں اپنے آبائی قصبے شرق پور چلا گیا۔ وہاں بھی کوئی اخبار میسر نہیں تھا۔ شام چار بجے جب میں گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ تاج صاحب شدید زخمی حالت میں میو ہسپتال میں ہیں اور مجھے بار بار یاد کر رہے ہیں۔۔۔ میرے ہوش اور حواس گم تھے۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس محبوب دل نواز کو کوئی سفاک زخمی بھی کر سکتا ہے۔ بھاگم بھاگ میو ہسپتال پہنچا۔ دھنی رام روڈ کی طرف سے ہسپتال کا جو دروازہ کھلتا ہے اس سے داخل ہوا تو سامنے گورنمنٹ کالج لاہور کے صدر شعبۂ فلسفہ پروفیسر محمد سعید شیخ نظر آئے۔ وہ مجھے دیکھ کر تیزی سے میری طرف لپکے اور مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر سسکیاں بھرتے ہوئے کہا ''وہ صبح سے آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔ آپ کو نہ دیکھ سکے۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے ایک ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر کہا، یہ گوہر نوشاہی ہیں جن کا ذکر تاج صاحب اور بیگم صاحبہ کر رہے تھے۔ ڈاکٹر

صاحب نے ایک کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا، اس پر دستخط کر دیں اور تاج صاحب کی لاش گھر لے جائیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا تھا نعیم طاہر یا گوہر نوشاہی میں سے کوئی بھی آ جائے تو اس سے دستخط لے لینا۔ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور دستخط کرنے کی جرات نہیں ہو رہی تھی کہ اتنے میں میں نے نعیم طاہر کو کار سے اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ بھی غالباً لاہور سے باہر تھے اور حادثہ جان کاہ کی خبر پا کر اسی وقت پہنچے تھے۔ میں نے روتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ دستخط کریں۔ چنانچہ نعیم طاہر صاحب نے دستخط کیے۔ خون آلود چادر میں لپٹے ہوئے تاج صاحب کو ایمبولینس میں رکھا گیا۔ دو تین آدمی جن میں میں بھی تھا، ایمبولینس میں بیٹھے اور ہم انہیں ایبٹ روڈ پر ان کے گھر لے آئے۔۔۔ 19 اپریل 1970 کی صبح کو جنازہ اٹھا۔ مجلس ترقی ادب لاہور کی طرف سے گلاب کی پھولوں کی چادر بنوائی گئی جو مجلس کی ہیت منتظمہ کے صدر نشیں جناب جسٹس ایس اے رحمان اور میں نے ایک ایک طرف سے کھول کر تاج صاحب کے جسدِ خاکی پر ڈالی۔ جن لوگوں نے آخری دیدار کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ تاج صاحب اس قدر پُرسکون نیند سوئے ہوئے تھے کہ ان کے مرنے کا کسی کو یقین نہیں ہوتا تھا۔'' (48)

امتیاز علی تاج کے سوم کی رسم اہل سنت طریقے سے ختم قرآن پاک کے ساتھ ادا کی گئی۔ بعد ازاں حجاب صاحبہ کی خواہش کے پیش نظر مجلس بھی پڑھائی گئی اور اظہر حسین زیدی نے مجلس پڑھی۔ (49)

حجاب نے اس سانحے کے بعد اپنے مخصوص رومانی طرز ادا سے نکل کر موت، بڑھاپے اور بھوک جیسے ٹھوس حقائق پر قلم اٹھایا۔ انہوں نے دنیا میں بڑھتی ہوئی ابتری، انتشار، قتل و غارت گری، ماحولیاتی مسائل اور ذہنی امراض جیسے موضوعات پر ایک مربوط ناول لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ نتیجتاً ناول پاگل خانہ معرضِ تخلیق میں آیا۔

پھول کا دور ادارت

1970 میں ''پھول'' کے مدیرِ اعلیٰ سید امتیاز علی تاج کے قتل کے بعد حجاب پھول کی مدیرِ اعلیٰ

بن گئیں۔ ان کے دورِ ادارت میں پھول کے صرف دو شمارے شائع ہو سکے۔ بعد ازاں نعیم طاہر رسالہ پھول کے مدیر مقرر ہوئے۔

سفرِ انگلستان و فرانس

حجاب کے واقعاتِ حیات میں 75-1974 کا سفرِ انگلینڈ اور فرانس اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے سوانحی کوائف میں اس کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ اس سفر کی تفصیلات ان کی کتاب تصویرِ بتاں میں موجود ہیں۔

ادبی تنظیم من و سلویٰ کا قیام

حجاب کے حالات زندگی کی زمانی ترتیب میں 1977 میں ادبی تنظیم ''من وسلویٰ'' کا قیام بھی ایک قابل ذکر واقعہ ہے۔ اس ادبی تنظیم کا افتتاحی اجلاس حجاب کی ان دنوں کی رہائش گاہ 48۔ ایل گلبرگ 3 میں ہوا۔ ناصر بشیر نے اپنے مضمون مطبوعہ روزنامہ پاکستان، ادا جعفری نے اپنی آپ بیتی ''جو رہی سو بے خبر رہی'' اور انتظار حسین نے اپنی کتاب ''چراغوں کا دھواں'' میں اس تنظیم کے آغاز، قواعد اور کارکردگی کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔

''من وسلویٰ کا سلسلہ ایک عرصے تک خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ پھر اس میں کچھ عرصہ تعطل آیا۔ پھر اس کا احیا ہوا اور آخر کار اس کی صدر اور بانی حجاب کی شدید علالت کی وجہ سے اس کی نشستیں موقوف کر دینا پڑیں۔ انتظار حسین من وسلویٰ کی یہ کہانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اصلاً یہ عورتوں کی محفل تھی۔ جلد ہی کٹا چھٹی شروع ہوگئی۔ جلد ہی لڑائیاں شروع ہوگئیں اور تو اور دو بہنیں لڑ پڑیں۔ جلد ہی ہمیں پتا چل گیا کہ جمیلہ ہاشمی اور سائرہ ہاشمی اب ایک جنگل میں نہیں رہ سکتیں۔ یوں سمجھئے کہ ہمارے ادب میں یہ بیبیوں کا زمانہ تھا۔ پھر من و سلویٰ کا حلقہء خاص منتشر ہوگیا۔ جعفری صاحب کا ٹرانسفر ہوگیا۔ ادا جعفری اسلام آباد چلی گئیں۔ بہن نے بہن سے لڑ کر اپنی بزم الگ آراستہ کر لی۔۔۔'' (50)

انڈیا کے اسفار

حجاب کو بچپن سے سیر و سیاحت میں گہری دلچسپی تھی۔ وہ 1979 میں اور 1983 میں انڈیا کی سیاحت پر گئیں۔ اس مرتبہ (1983 میں) ان کی ملاقات انڈیا کی وزیر اعظم اندرا گاندھی سے بھی ہوئی۔ اندرا گاندھی حجاب کی نگارشات دلچسپی سے پڑھتی تھیں اور انہیں بہت پسند کرتی تھیں۔

اعزازات

حکومت پاکستان کی جانب سے حجاب امتیاز علی کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر 23 مارچ 1983 کو تمغہء امتیاز عطا کیا گیا۔ وزارت تعلیم نے ان کے لیے ستارہء امتیاز کی سفارش کی تھی تاہم ایوارڈ کمیٹی نے انہیں تمغہء امتیاز سے نواز نا موزوں سمجھا۔

23 مارچ 1983 کو صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ایک تقریب میں انہیں یہ ایوارڈ عطا کیا۔ (51)

ناصر بشیر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ”حجاب کو رائٹرز گلڈ کا انعام بھی دیا گیا تھا۔“ (52)

انگریزی اخبار "The Nation" کے اداریہ کے مطابق انہیں ان کے ناول پاگل خانہ پر ”آدم جی ادبی ایوارڈ“ دیا گیا۔ حجاب نے کئی ایوارڈ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (53)

انہوں نے سرکاری یا غیر سرکاری ایوارڈ قبول کیا ہو یا قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو، ان کا فن ان تمام ایوارڈز سے بلند تر ہے۔ ان ایوارڈوں کے لیے ان کی نامزدگی اور عطائیگی سے دراصل ایوارڈوں کے اعزاز و وقار میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے یقیناً آج کے شہرت طلب ادیبوں کی طرح ایوارڈوں کے حصول کے لیے لابنگ (Lobbying) نہیں کی۔ وہ اپنی تطہیرِ قلب اور تزکیہء نفس کے لیے مسلسل لکھتی تھیں۔

حجاب کے قارئین و مداحین

قارئینِ ادب کے ایک وسیع حلقے میں حجاب امتیاز علی کی تحریروں کو پسند کیا اور پڑھا جاتا تھا۔ حمید

اختر کہتے ہیں ہم ایسی متعدد خواتین کو جانتے ہیں جو اپنے بچپن میں سکول یا کالج کے زمانہ سے حجاب کی تحریریں پڑھنے کی عادی ہوئیں اور ان کی دلچسپی نصف صدی گزرنے اور خود سال خوردگی کا شکار ہونے پر بھی برقرار رہی۔ وجہ اس کی بظاہر یہی نظر آتی ہے کہ گزشتہ ستر اسی برس میں کسی دوسرے لکھنے والے یا لکھنے والی نے اس قسم کا اسلوب اپنانے کی جرات نہیں کی۔ (54)

ان کو پسند کرنے والوں میں عظیم بیگ چغتائی، شوکت تھانوی، شفیق الرحمان، کرنل محمد خان اور محمد اسلم انصاری جیسے ممتاز اور موقر ادیب شامل تھے۔ عصمت چغتائی نے اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ "دوزخی" کے عنوان سے لکھا۔ اس خاکہ میں وہ لکھتی ہیں:

"انہیں حجاب امتیاز علی سے خاص لگاؤ تھا۔ (میں محترمہ سے معافی مانگ کر کہوں گی کہ مرنے والا کا راز ہے' کہا کرتے تھے یہ عورت بہت پیارے جھوٹ بولتی ہے۔" (55)

معروف مزاح نگار کرنل محمد خان نے روزنامہ جنگ کے ادبی ایڈیشن کے لیے اجمل نیازی کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال: "کوئی ایسی خاتون جس نے آپ کو متاثر، متحیر اور مسخر کر لیا ہو؟" کا جواب ان الفاظ میں دیا:

"محترمہ حجاب امتیاز علی تاج نے اپنی ہوابازی سے متحیر، اپنی کہانیوں سے متاثر اور اپنی باتوں سے مسخر کر لیا تھا اور آج تک کر رکھا ہے۔" (56)

انہیں اُردو، انگریزی، ٹیلگو اور تمل زبانیں آتی تھیں۔ تاہم وہ پنجابی زبان بولنا نہیں جانتی تھیں۔ (57)

ان کی تخلیقات کے تراجم انگریزی، جاپانی اور دنیا کی دیگر عالمی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ (58) انگریزی تراجم کے شواہد تو موجود ہیں تاہم دوسری زبانوں میں تراجم تک راقم کی رسائی نہیں ہو سکی۔

حجاب امتیاز علی تاج انسدادِ بے رحمیٔ حیوانات کی ممبر بھی رہیں۔ (59)

شخصیت

حجاب کی قد قامت پانچ فٹ ایک انچ کے قریب تھی۔ کمر میں قدرے ٹیڑھا پن تھا۔ آواز Shrill تھی سافٹ (Soft) نہیں تھی۔ آخری عمر میں وگ لگاتی تھیں۔ جوتے ہمیشہ فلیٹ پہنتی تھیں۔ سکرٹ بھی پہنتی رہی ہیں۔ ایڑی والے جوتے پسند نہیں تھے۔ آخری عمر میں ان کے کولہے (Hips) اکثر سوجے رہتے تھے۔ فل میک اپ کے بغیر مہمانوں سے ملنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ساڑھی ان کا پسندیدہ لباس تھا۔ خوشبویات بھی پسند کرتی تھیں۔ اکثر انگلیوں میں انگلیاں داخل کر کے پھیرتی رہتی تھیں۔ فاطمہ عالم علی ان کے سراپا کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

''یوں تو ہر سال شملہ آتے تو گھر مہمانوں سے بھرا رہتا لیکن اس سال یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان ادب کے چاند سورج ہمارے آنگن میں اتر آئے ہیں۔ یہ دبلی پتلی، گندمی رنگت، غازے اور سرخ سے آراستہ چہرے والی اپنے زمانے کی جدید طرز کی دوہرے بل کی ساڑھی میں لپٹی لپٹائی ہماری مہمان تھیں، حجاب امتیاز۔'' (60)

اس تحریر میں حجاب کی جوانی کے زمانے کے خدوخال اجاگر کیے گیے ہیں اور یہ قیام پاکستان سے پہلے کی باتیں ہیں۔ 1959 میں ایک انگریزی رسالے Women World کے ایک شمارے میں حجاب کی شخصیت کے خارجی پہلوؤں کا ان الفاظ میں احاطہ کیا گیا ہے:

"Hijab seemed a character out of some colourful historical novel. Her dark hair, graceful gestures and slow motion gave her distinction and looking at her, it was very easy to associate with her romantic novel.(61)

ہما نسرین نے حجاب سے ایک ملاقات کے بعد ان کی شخصیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''چوڑا چہرہ، سفید رنگت، ہلکی نیلی آنکھیں، پتلے ہونٹ، متناسب جسم پر ساڑھی

نہایت بھلی لگتی ہے۔ گھر میں بھی ننگے پاؤں چلنا پسند نہیں کرتی ہیں اور وقت کی بے حد پابند ہیں۔" (62)

نسیم بانو نے ان کی خارجی شخصیت کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے:

"حجاب دیکھنے میں نہایت جاذب نظر اور پُرکشش شخصیت کی مالک خاتون ہیں۔ آج جب وہ عمر کے اس حصے میں ہیں جب قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور حسیات کمزور پڑ جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی چال ڈھال میں وقار اور وجاہت کے علاوہ تازہ ٹہنی کی لچک بھی ہے۔ نہایت دھیما مزاج قدرت کی طرف سے پایا ہے۔ ان کا لب ولہجہ نہایت سلجھا ہوا ہے۔ بات کرتی ہیں تو ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرتی رہتی ہے۔ بقول جوش:

ہونٹوں کو وقت گفتگو چومتی تھی شگفتگی

بات جو تھی وہ پھول تھی، پھول جو تھا گلاب تھا (63)

ایوب ندیم جس نے روزنامہ نوائے وقت کے لیے حجاب کا انٹرویو کیا وہ ان کی شخصیت کے ایک پہلو کا احاطہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"محترمہ حجاب کے گھر جاکر ان کے اعلیٰ ذوق کی داد دینا پڑتی ہے۔ حویلی قسم کا وسیع و عریض گھر ہے جس کی آرائش و زیبائش طلسماتی اور افسانوی انداز میں کی گئی ہے۔ ڈرائنگ روم کی آرائش نہایت سلیقہ مندی کو ظاہر کرتی ہے۔ اس میں رکھے گئے قیمتی نوادرات ان کے افسانوی ذوق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نیلم فیروزی مونگیا رنگ ان کے پسندیدہ رنگ ہیں۔ یہ ایسے رنگ ہیں جن سے آنکھوں کو طراوت اور دل کو سکون ملتا ہے۔ (64)

معمولات۔ پسند۔ ناپسند

ہمیں ان کے ڈائری لیل و نہار کے مطالعے سے ان کے معمولات، پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا بھی کھوج ملتا ہے۔ تلاوت کلام پاک، شام کی سیر، روزانہ ڈائری لکھنا، شطرنج، کیرم، تاش، لڈو کھیلنا، فلم بینی، خط و کتابت، لکھنا، پڑھنا، بلیاں طوطے پالنا، موسیقی سے لطف اندوز ہونا، موسم بہار کی پسندیدگی، تقاریب میں شرکت، مناظرِ فطرت دیکھنے کی خواہش، پرندوں میں کوئل کی پسندیدگی،

ادائے نماز میں غیر مستقل مزاجی، مذہب کے بارے میں کبھی تشکیک اور کبھی ایمان کا رویہ، ریڈیو سننا،، قیلولہ (انہیں قیلولہ ڈاکٹر کی ہدایت پر لازماً کرنا پڑتا تھا حالانکہ وہ قیلولے کو سخت ناپسند کرتی تھیں۔تاہم بعدازاں کی زندگی میں قیلولہ ان کے معمولات کالازم حصہ بن گیا)۔(65)

حجاب کو نیلا رنگ بے حد پسند تھا۔اس کی یقیناً کوئی نہ کوئی نفسیاتی وجہ ضرور ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ نیلے رنگ کی پسندیدگی کا ان کے بچپن سے گہرا تعلق ہے اور یہ ان کے مزاج کی رومان پسندی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

وہ اپنی ڈائری لیل ونہار میں اپنی دو پختہ عادتوں کا ذکر کرتی ہیں:

''روزانہ عادتوں میں سے دو عادتیں میری ایسی ہیں جنہیں میں شدید علالت کے سوا چھوڑ نہیں سکتی۔ریشمی لباس اور شام کی تفریح۔'' (66)

مطالعاتی عادات اور پسندیدہ قلم کار

ان کی ڈائری لیل ونہار، ناول پاگل خانہ اور تصویرِ بتاں سے ہمیں ان کی مطالعاتی عادات کے بارے میں معلومات ملتی ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ وہ مذہب اور روحانیت، ڈراما، افسانہ، ناول اور طب کے بارے میں باقاعدگی سے پڑھتی تھیں۔مذہب کے حوالے سے وہ قرآن پاک کے علاوہ توریت، زبور اور انجیل کا بھی مطالعہ کرتی تھیں۔

ان کے پسندیدہ لکھنے والوں میں فرانسیسی ناول نگار پیری لوئی، مغربی ادیب شیکسپئر، نطشے، تھیکرے، کیٹس، ملٹن، رائڈر، ہیگرڈ، گورکی، ٹالسٹائی، دوستوفیسکی، میری کوریلی، فرائیڈ، ژونگ، آسکر وائلڈ، ورڈز ورتھ، آسٹریلیا کے ٹویٹر اور کونن ڈائل، بنگالی ادیب ٹیگور، فارسی ادب میں عمر خیام، سعدی، حافظ، اُردو ادب میں میر، غالب اور اقبال (بالخصوص غالب ریلدرم رکرشن چندر) وغیرہ شامل ہیں۔(67)

زندگی کے بارے میں نقطہء نظر

ہمیں ان کی تحریروں سے زندگی کے بارے میں ان کا نقطہء نظر بھی معلوم ہوتا ہے۔نیچے درج دو اقتباسات سے تو وہ ہمیں فلسفہء جبر کی قائل دکھائی دیتی ہیں جبکہ دوسرے کچھ اقتباسات سے وہ

جدوجہد کے نقطہء نظر کی وکالت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ جفاکشی سے زندگی گزارنا چاہیے اور اپنی طبعی سہولت پسندی سے اپنے آپ کو بدقسمت قرار نہیں دینا چاہیے۔ زندگی کے چیلنج کو قبول کرنا چاہیے۔

وہ 23 دسمبر 1942 کو ڈائری میں لکھتی ہیں:

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں دن بدن تقدیر کی زیادہ قائل ہوتی جا رہی ہوں۔ تقدیر کے معنی ہیں خدا کی مرضی۔ رائے ہمیشہ تجربے اور مشاہدے کے بعد ہی قائم ہوتی ہے۔ تقدیر قدرت کا شدنی حکم ہے اور تدبیر انسان کی کمزور کوشش۔ ان دونوں کا کیا مقابلہ۔ میرے ملنے والوں میں کئی ایسے ہیں جو میرے خیالات کو میری جہالت سمجھیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ نہ تقدیر کے قائل ہیں اور نہ اس پُر اسرار زبردست طاقت کے جو ہم سب پر حکمران ہے۔ تاہم میرے خیالات چٹان کی طرح مضبوط ہیں اور ہمیشہ اسی راہ پر کھڑی رہوں گی جہاں اب کھڑی ہوں۔" (68)

اپنے ناول پاگل خانہ میں لکھتی ہیں:

"اس وقت مجھے آدمی کی بے بسی کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ کوئی چیز اپنی نہیں۔ کسی چیز پر اپنا اختیار نہیں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ پر بھی نہیں۔ بلاشبہ نظام کائنات کی پیش گاہ پر انسان محض ایک کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتا ہے۔" (69)

فلسفہء جبر کے حوالے سے ان کے ایک افسانے جس کا نام ناصر تھا کا ایک اقتباس دیکھیے:

"سوچنے لگی کیا قدرت کو زیب دیتا ہے کہ پہلے وہ انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس جہانِ رنگ و بو میں بھیجے اور پھر معذور و مجبور بنا کر واپس بلا لے۔" (70)

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ حجاب فلسفہء جبر کی قائل ہیں۔ تاہم "تصویرِ بتاں" سے مقتبس ان دو پیراگرافوں میں وہ زندگی کے بارے میں ایک اور زاویے کو اجاگر کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ تصویرِ بتاں میں لکھتی ہیں:

"زندگی کی جدوجہد کے لیے دل میں ایک ولولہ ہونا ضروری ہے۔ ولولے اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب ہم ذہنی طور پر تندرست ہوں اور ذہنی طور پر ایک آدمی جبھی تندرست ہوتا ہے جب وہ اندرونی الجھنوں سے معرا ہو اندرونی الجھنوں سے اسی وقت معرا ہوتا ہے جب اس

پر کسی قسم کا بیرونی دباؤ نہ ہو اور دباؤ نہ ہونے کے معنی ہیں ایک آزاد انسان۔ آزاد انسان وہ ہے جس کے دل میں زندگی اور زندگی کی جدوجہد کے ولولے موجود ہوں۔" (71)

وہ اسی کتاب میں شامل اپنے مضمون زندگی کی پگڈنڈیاں میں رقم طراز ہیں:

"اپنے آپ کو بدقسمت قرار دے لینا نہایت آسان ہوتا ہے۔ بدقسمت آدمی کسی چیز کا ڈٹ کر مقابلہ نہیں کرتا۔ آسائش پرست اور کاہل ہوتا ہے۔ اس لیے بدقسمت بھی ہوتا ہے۔ یہ سہولت پسندی لوگوں کو مرغوب ہے۔ اس لیے وہ بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم بدقسمت ہیں۔ ایسے لوگ آج تک نہیں ملے جو وثوق کے لہجے میں خوشی سے کہتے ہوں کہ ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ خوش نصیب ہونا محنت طلب کام ہے۔ اس میں خود اعتمادی اور جفاکشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سستی اور کم کوشی کو بالائے طاق رکھ کر زندگی کی دشوار گزار پگڈنڈیوں پر بادیہ پیمائی کرنی پڑتی ہے۔" (72)

تصویرِ بتاں کے ایک اور اقتباس سے بھی زندگی کے بارے میں ان کی سوچ کا انداز عیاں ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"زندگی کے بعض موقعے ایسے ہوتے ہیں جن میں ذرا سی سوچ، بے باکی اور پیش قدمی آپ کو بدقسمت اور ناکام انسان بننے کے بجائے مردانِ کار کی صف میں لا کھڑا کر سکتی ہے۔ برعکس اس کے ناامیدی اور بزدلی جس کو ہم قسمت بھی کہتے ہیں۔ دماغی توازن بگاڑ کر زندگی کے پلڑوں میں عدمِ توازن پیدا کر دیتی ہے۔ ناکامی کو ترقی کا زینہ سمجھیے۔ اس سے مایوس نہ ہو جائیے بلکہ جفاکشی سے پہلے سے زیادہ مصروف ہو جائیے۔ (73)

حجاب کی شخصیت میں حقیقت پسندی اور فراریت دونوں رجحانات کا امتزاج موجود ہے۔ وہ اگر اپنی ادبی زندگی کے آغاز میں ہمیں فراریت پسند نظر آتی ہیں تو بعد کے ادوار میں وہ ہمیں اپنی تحریروں میں حقیقت پسند ادیب کے طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ تصویرِ بتاں کی ان سطروں کو پڑھیے جو کہ حقیقت پسند ذہن کی عکاس ہیں:

"ہم میں ایسی لچک ہونی چاہیے کہ بالادستی اور ماتحتی دونوں کو بخوشی قبول کر کے اس کے فرائض سر انجام دے سکیں۔ ہمارے دماغ ٹھنڈے اور دل گرم ہونے چاہئیں۔" (74)

اب دو اقتباسات ایسے درج کیے جا رہے ہیں جن سے حجاب کی فراری طبیعت کی

عکاسی ہوتی ہے:

''میں ساری عمر حقائق زندگی کے دہشت خیز دھماکوں سے محفوظ رہنے کی کوشش میں اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے زندگی کے مہکتے ہوئے چمنستانوں میں گھومنے کی عادی رہی ہوں۔''(75)

لطفِ طبع

حجاب کی طبیعت میں مزاح فطری طور پر شامل تھا۔ ان کی بہت سی تحریروں میں طنز و مزاح ایک جزو لاینفک کے طور پر شامل ہے۔

الم پسندی اور مزاج کی اُفتاد

حجاب نے خود لکھا ہے:

''میں قنوطی نہیں، الم پسند ضرور ہوں۔ اس لیے طبیعت کو ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ قہقہوں اور چہچہوں کی رنگیں و پُر شور دنیا سے گزر کر آخر میں المیہ کی طرف پلٹ آتی ہوں۔ میری دانست میں یاس اور الم میں بڑا فرق ہے۔ زندگی کے غم ہمیں مسکرانا سکھاتے ہیں اور یاسیت انسان کو مفلوج کر دیتی ہے۔ غم حیات قوت تخلیق بخشتا ہے۔''(76)

نفسیات پر عبور

حجاب فلسفہ اور نفسیات کی سنجیدہ طالب علم تھیں۔ ان کی تحریریں اس امر پر شاہد ہیں کہ انہیں نفسیات پر مکمل دسترس حاصل تھی۔

حب الوطنی

حجاب نہایت محب وطن خاتون تھیں۔ ان کا جذبہ حب الوطنی ستمبر 1965 کی پاک بھارت جنگ کے دوران لکھے گئے روزنامچہ موم بتی کے سامنے کی ایک ایک سطر سے عیاں ہے۔

جانوروں اور پرندوں سے محبت

حجاب کو جانوروں اور پرندوں سے بڑی محبت تھی۔ اس ضمن میں ان کی تخلیقات اور نگارشات میں بڑا مواد موجود ہے۔ انہوں نے پرندوں کو جانوروں کو بڑے منفرد نام دے رکھے تھے۔ وہ نذر سجاد حیدر کو ایک مکتوب میں لکھتی ہیں:

"گلفام اب تک ٹانک پیتا ہے۔ واٹر بیری پیتا ہے۔ اسے سردیوں میں زکام ہو جاتا ہے۔ گل لالہ بے حد موٹا بلا ہے۔ سوسن اور چاندی کا دشمن ہے جو نازک اندام بلیاں ہیں۔ باقی بلیاں بے چاری نیک ہیں۔ جعفر میاں (طوطا) ان دنوں سنبل (کبوتر) کے دشمن ہو گئے۔" (77)

حجاب کا پسندیدہ شعر

وہ تصویرِ بتاں کے ایک مضمون "دوراہے پر" میں اپنے پسندیدہ شعر کے بارے میں بتاتی ہیں:
"غالب کا مندرجہ ذیل شعر مجھے بہت پسند ہے۔ اس میں کسی قسم کی ذہنی شش و پنج نہیں بلکہ خدا پر توکل ہے۔ فرماتے ہیں:

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا" (78)

آٹو گراف

تاہم حجاب جب کبھی کسی کو آٹو گراف دیتی تھیں تو وہ عموماً چکبست کا یہ شعر آٹو گراف بک پر درج کرتی تھیں:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا (79)

جرائم اور لاقانونیت سے نفرت

اپنے شوہر امتیاز علی تاج کے سانحۂ قتل نے حجاب کو جرائم اور لاقانونیت کا شدید ناقد بنا دیا۔ اس کی ایک مثال درج ذیل اقتباس سے عیاں ہے:

”ممکن ہے، ہم کھانا ختم بھی نہ کرسکیں اور لقمہ، اجل بن جائیں۔ بالکل ممکن ہے کہ اچانک چار آدمی ہاتھوں میں اسٹین گن یا چھرے لے کر گھس آئیں۔ وہاں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قاتل اور جرائم پیشہ لوگ موقع کی تاک میں ادھر ادھر گھوم رہے ہیں کہ کب کس کی جان لیں اور کب کس عمارت کو نذرِ آتش کردیں؟ اور دن دیہاڑے کس پر بھرے بازار میں فائرنگ شروع کردیں۔ کس اسپتال میں ملاقاتی بن کر جائیں اور مریضوں کو تہِ تیغ کردیں۔ کس تعلیمی ادارے میں جائیں اور وہاں کے سربراہ کو یرغمالی بنالیں۔ میدانوں میں کھیلتے ہوئے اور سکولوں میں جاتے ہوئے معصوم بچوں کا اغوا کرلیں۔“ (80)

مذہب کے بارے میں فکری تضاد

مذہب بالخصوص تصورِ خدا کے حوالے سے ہمیں حجاب کے ہاں فکری استقامت نظر نہیں آتی۔ وہ اسلامی نظام کی حمایت بھی کرتی ہیں اور کبھی کبھی ان خیالات کا اظہار بھی ضروری سمجھتی ہیں:

”تم پوچھتے ہو کہ خدا کے متعلق میرا کیا خیال ہے؟ تو سنو، خدا کو میں دل سے مانتی ہوں مگر جب مجھے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو میں اس سے ناراض ہو جاتی ہوں کیوں کہ تم جانتے ہو میں بہت تندرست نہیں ہوں۔ میں خدا اور شیطان کو ایک ہی سمجھتی ہوں۔ دکھ اور مصیبت بھی وہی دیتا ہے، شیطان نہیں۔“ (81)

معاصر حقائق سے باخبر ادیبہ

حجاب ایک کثیر المطالعہ ادیبہ تھیں۔ وہ باقاعدگی سے اخبار پڑھتی تھیں۔ سائنسی، نفسیاتی، فلسفیانہ اور سماجی موضوعات کو محیط کتب کا مطالعہ ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ وہ ہمیں نہایت باخبر خاتون نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے ناول کے کردار ڈاکٹر گار کی زبان سے جن سائنسی خیالات کا اظہار کراتی ہیں وہ دراصل ان کے اپنے مطالعے کے ثمرات ہیں۔

پسندیدہ مقامات

دراصل میں ذرا مشکل پسند واقع ہوئی ہوں۔ میں مغلیہ طرز کی عمارات کی شیدائی ہوں۔ سفید سنگِ مرمر کی جالیوں میں سے تمام وقت آسمان کا نیلاہٹ اور باغ کی فضا پیشِ نگاہ رہتی ہے۔

ایسی عمارات میں بیٹھ کر آدمی جب دریچے سے باہر جھانکتا ہے تو کائنات کی وسعت اور زمین و آسمان کی خلاؤں میں گم ہو جاتا ہے۔ تم نے لاہور کی مسجد شاہی نہیں دیکھی؟ جہانگیر کا مقبرہ نہیں دیکھا۔ دنیا میں ایسی جگہیں مجھے بھاتی ہیں۔" (82)

بڑھاپے سے نفرت اور طوالت عمر کی خواہش

حجاب کے افسانوی مجموعے وہ بہاریں یہ خزائیں میں شامل افسانہ یہ فالتو لوگ بڑھاپے کی کیفیات کا عکاس ایک خوبصورت افسانہ ہے۔ بڑھاپا۔۔۔ عضو معطل، فالتو چیز، بے بسی اور دُکھ، جسم کے دُکھ، روح کے دُکھ، کارخانۂ قدرت کی سب سے مہمل اور کمزور صنف، سب سے ردی اور ناکارہ پُرزہ۔ اس افسانے میں حجاب نے بوڑھے انسان کے شب و روز اور اس کے احساسات کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ یہ پیراگراف دیکھیے:

"اس نے ایک آہ بھر کے سوچا کہ دنیا کی سب سے بڑی لعنت بڑھاپا ہے۔ انسان کو اس عذاب میں مبتلا کر کے قدرت کو کیا ثواب مل گیا؟ اسے غصہ آنے لگا۔ اس نے جھنجلا کر اپنے آپ سے کہنا شروع کیا۔ میں نے تو قدرت سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے اس دنیا میں پیدا کرے جس میں بڑھاپا ہے اور دُکھ۔ میں قدرت کو اس کی غلطی پر کبھی معاف نہ کروں گا۔" (83)

راقم السطور کو حجاب کی بیٹی یاسمین طاہر اور نواسے فاران طاہر نے ایک انٹرویو کے دوران بتایا:

"بی بی ہم سے ہر روز پوچھتی تھیں کہ اخباروں میں دیکھیے کہیں اگر یہ خبر موجود ہو کہ سائنس دانوں نے بڑھاپے کی آمد کو روک لیا ہو اور طوالتِ عمر کا کوئی فارمولہ ایجاد کر لیا ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا۔ وہ اکثر کہتیں۔ کہ کاش میری عمر دو سو سال سے بھی زیادہ ہو۔" (84)

حجاب کی ماضی پسندی

حجاب نے اپنے بہت سے افسانوں میں روحی کی شکل میں واحد متکلم کے طور پر موجود ہے۔ ان کے افسانہ "سالگرہ" میں ماضی کی ایک خوش گوار یاد کو افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ حجاب ایک رومانوی افسانہ نویس ہیں اور ماضی کی خوبصورت یادیں رومان پسند طبیعت کے لیے باعث کشش ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب وہ حال سے بے زار ہو جاتا ہے تو ماضی کی خوش گوار اور

مدہوش کر دینے والی یادوں میں گم ہو جانا چاہتا ہے۔ حجاب بھی ماضی کی یادوں میں پناہ لیتی ہے۔ وہ خود اس امر کا اعتراف اس افسانے کے آغاز ہی میں کر دیتی ہیں۔ حجاب کہ ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ انسان کو موت پر فتح پالینا چاہیے اور اس کا نقطہء نظر یہ رہا ہے کہ اگر سائنس یہ کارنامہ سرانجام دے لے تو فی الواقع یہ سائنس کی بڑی عطا ہو گی۔

پسندیدہ سیاست دان خواتین

''میری خواہش ہے کہ ہمارے معاشرے میں محترمہ فاطمہ جناح، رعنا لیاقت علی اور بے نظیر بھٹو جیسی بہت سی عورتیں پیدا ہوں۔'' اس کے بعد انٹرویو نگار نے استفسار کیا: ''کیا آپ کی محترمہ فاطمہ جناح سے کوئی ملاقات ہوئی؟'' حجاب گویا ہوئیں: ''کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ بڑی نفیس خاتون تھیں۔ میرے پائلٹ ہونے سے بہت مرعوب تھیں۔''(85)

ماں کی شخصیت بیٹی کی نظر میں

ان کی بیٹی یاسمین طاہر نے راقم کو بتایا کہ ''میری امی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ وہ میرے بچوں کے ساتھ کیرم، تاش اور لڈو کھیلتی تھیں۔ انہیں میٹھا بہت پسند تھا۔ مچھلی بھی کھانا پسند کرتی تھیں۔ کھانے میں تُرش چیزوں کو بھی پسند کرتی تھیں۔ صبح سویرے کپڑے بدل کر فل میک اپ کے ساتھ تیار ہو جاتی تھیں اور ان کی شام کا معمول بھی یہی تھا۔ امی کو خوشبوئیں بھی بہت پسند تھیں۔ وہ دنیا کی بے ثباتی پر بہت پریشان رہتی تھیں۔ انہیں بہت سے اچھے اچھے شعر یاد تھے۔ وہ رات کو قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر سوتی تھیں۔ وہ کبھی کبھی باقاعدہ نماز شروع کر دیتی تھیں اور کبھی کبھی مکمل طور پر چھوڑ دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے امی کے تعلقات کبھی اچھے ہو جاتے تھے کبھی کشیدہ۔ جب انہیں بیماری لاحق ہو جاتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو جاتی تھیں۔ ابو کے قتل نے ان کے ذہن پر بہت گہرے اثرات ڈالے تھے۔ وہ رات عین اس وقت جاگ جاتی تھیں جس وقت ابو پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ انہیں باقاعدہ ڈائری لکھنے کی عادت تھی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ ڈائری لکھے بغیر سو گئی ہوں۔ چلتے ہوئے وہ سہارے کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ آخری عمر میں ان کی سماعت بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔ اس لیے بہت اونچا سنتی تھیں۔ پھر بینائی اس حد تک کم ہوئی کہ زیادہ دیر تک مطالعہ نہیں کر سکتی تھیں۔(86)

حجاب کے آخری ایام

حجاب کے آخری ایام کے حوالے سے یاسمین طاہر نے راقم کو بتایا کہ ''امی کی سماعت اور بصارت کمزور ہوگئی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک پڑھ نہیں سکتی تھیں۔ تاہم ہمارے اصرار کے باوجود Hearing Aid لگانے سے انکار کرتی رہیں۔ وجع المفاصل یعنی Arthritis کی وجہ سے ان کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ شام کے وقت وہیل چیئر پر گھر کے سامنے نواز شریف پارک میں تھوڑی دیر کے لیے سیر کرنے نکل جاتی تھیں۔ اس ضمن میں گھر کا نوکران کی معاونت کرتا تھا۔

1998 کا ذہنی دورہ

یاسمین طاہر نے راقم کو بتایا کہ امی کو 1998 کی گرمیوں میں شدید دورہ پڑا۔ انہوں نے ایک نفسیاتی کیفیت میں بولنا شروع کیا اور ابو کے قتل کے واقعات کو لاشعوری انداز میں دہرانا شروع کردیا۔ وہ بار بار یہ فقرہ کہہ رہی تھیں: ''وہ نقاب اوڑھے ہوئے تھے'' اور دوسرا فقرہ یہ کہ ''میرے میاں تمہارے کیا لگتے تھے۔'' (87)

آخری تحریر

عمر کے آخری برسوں میں حجاب کے افسانے تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ نئے ناموں سے شائع ہوتے رہے۔ جس سے ان کے معترضین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اب شاید ان کے ہاں موضوعات کی کمی آ گئی ہے۔ انور سدید کے بقول حجاب نے اپنی زندگی کا آخری مضمون جو شاید ڈائری نما تھا 1997 میں لکھا۔ بعد ازاں وہ مختلف بیماریوں اور نقاہت کی وجہ سے قرطاس وقلم سے تعلق برقرار نہ رکھ سکیں۔ حجاب کی اوائل عمری بڑی تنہائی کا شکار تھی اور آخری زندگی ایک مرتبہ پھر جان کاہ تنہائی میں گزارنا پڑی۔

علالت اور رحلت

3 مارچ 1999 کو حجاب بیمار پڑ گئیں۔ انہیں حمید لطیف ہسپتال میں اسی روز داخل کرا دیا گیا۔ وہ 15 دن تک اسی ہسپتال کے سی سی یو ڈیپارٹمنٹ میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہیں۔ پیرانہ سالی کے ساتھ ساتھ ان کے دماغ میں ایک Clot بھی تھا اور Multi-system Failure کی وجہ سے با لآخر 18 مارچ 1999 بمطابق 29 ذیقعد 1419ھ بروز جمعرات رات دس بج کر 45 منٹ پر دارِ فانی سے دارِ جاودانی کوچ کر گئیں۔ ان کے نواسے علی طاہر کہتے ہیں:

''جب وہ 3 مارچ 1999 کو ہسپتال میں داخل ہوئیں تو شروع سے ہی ان کے بچنے کی امید کم تھی۔ میرے دونوں بھائی ان کی بیماری کا سن کر امریکا سے واپس آ گئے۔ میرے امی ابا اور ہم چوبیں گھنٹے ان کے قریب رہتے تھے۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے زور سے کہا: ''کیسی ہے ری!'' انہوں نے میری طرف دیکھا اور دائیں ہاتھ کی انگلی جس میں انٹروین سوئی لگی ہوئی تھی، اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ یہ میری ان سے آخری گفتگو تھی۔ 18 مارچ کو جب انہیں ہوش آیا اور انہوں نے ایک مختصر فقرہ کہا جو ہم سب نے سنا۔ ''میں اب بہت جلد مرجاؤں گی۔'' رات تقریباً پونے گیارہ بجے تمام انسانی کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔'' (88)

تدفین

اگلے روز یعنی 19 مارچ بروز جمعہ ایک شیعہ عالم دین نے ان کی ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی کے لان میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حجاب کی قبر ان کے مرحوم شوہر تاج کی قبر کے سرہانے کی دائیں جانب مومن پورہ قبرستان لاہور میں سنگِ سرخ اور سنگِ سفید سے تعمیر کی گئی ہے۔

ان کی رسم قل و دعا اتوار 21 مارچ کو 3 بجے سہ پہر ان کی رہائش گاہ 122۔بی ماڈل ٹاؤن لاہور میں ادا کی گئی۔ شمیم صبائی متھراوی نے ان کا قطعہ ء وفات لکھا۔ ملاحظہ فرمایئے:

میری اس بات کا یقین کرو
ہو گیا آج انتقالِ حجاب
سالِ رحلت شمیم ان کا لکھو
حرفِ ایماں ہے ارتحالِ حجاب 1419ھ (89)

تعزیت نامے

حجاب امتیاز علی کے سانحہء ارتحال پر زندگی کے مختلف طبقات کے بہت سے لوگوں نے اپنے تاثرات حجاب کے گھر پہ رکھی تعزیتی کتاب میں تحریر کیے تھے۔(90)

یہ تاثرات بعدازاں 'کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا' کے زیرِ عنوان روزنامہ پاکستان (ادبی ایڈیشن) 7اپریل 1999 کو چھپے۔

انتظار حسین لکھتے ہیں: حجاب امتیاز علی فکشن کی تاریخ میں رومانویت کی بہت بڑی نمائندہ تھیں۔زندگی کو دیکھنے کا ان کا اپنا زاویہ تھا۔انہوں نے زندگی کو جیسا پایا، جیسے دیکھا، ویسے لکھا۔ رومانوی تحریک کے بعد جتنی تحریکیں چلیں، خصوصاً (ترقی پسند تحریک)، وہ ان سے ہم آہنگ نہ تھیں۔ان کی تحریروں کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ان کے تمام ناول اور تمام کہانیاں ایک مخصوص طرز احساس کی نمائندہ ہیں۔ان کا آخری ناول ''پاگل خانہ'' ان کی تمام تخلیقات سے ہٹ کر ہے۔۔اس میں انہوں نے ایٹمی جنگ اور سائنس کے حوالے سے پلاٹ تشکیل دیا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک انوکھا ناول ہے۔ابھی تک اس موضوع پر کسی نے کوئی ناول نہیں لکھا۔ انگریزی والوں نے لکھا ہو تو ممکن ہے، کم از کم اُردو میں ابھی تک اس موضوع پر کوئی ناول میری نظر سے نہیں گزرا۔

الطاف فاطمہ نے لکھا: اُردو افسانے میں حقیقت اور رومان کے آہنگ اور سنگم کا ایک طویل اور خوبصورت باب وہ اپنے ساتھ لے گئیں لیکن ایک خوبصورت سرمایہ اور ورثہ اہلِ ادب کے لیے چھوڑ گئی ہیں۔

اس موقع پر مختلف اخبارات نے ان کی شخصیت اور فن کا مختصر احاطہ کرتے ہوئے اداریے لکھے۔ہم یہاں صرف انگریزی اخبار ڈان کے اداریے کا ایک اقتباس درج کر رہے ہیں:

Hijab Imtiaz Ali

A legend among writers of the Sub-continent, Hijab Imtiaz Ali was perhaps the greatest stylist of her time. She gained fame

very early in life. At the age of six when did not even know how to write she dictated her stories... Hijab became a new star on the horizon of Urdu literature rising from the South of India.She had been a source of inspiration to writer's for several decades. Her death concludes the story of a whole century. Distinguished individuals like Hijab are born only in centuries. At the time of her death, she was perhaps the oldest living writer of the Sub-Continent.(91)

کچھ اُردو اور انگریزی اخبارات میں ان کے بارے میں کالم بھی چھپے۔ روزنامہ پاکستان نے 7 اپریل 1999 کو اپنا ادبی ایڈیشن حجاب امتیاز علی کی یاد میں خصوصی اشاعت کے طور پر شائع کیا۔ اس ایڈیشن کے انچارج ناصر بشیر کے طویل مضمون ''حجاب امتیاز علی ایک صدی کی کہانی'' کے علاوہ حجاب کے تعزیت نامے۔ حجاب امتیاز علی کی کتابوں کا تعارف اور حجاب کے روزنامچے سے کچھ اقتباسات شائع کیے گئے۔ مزید برآں حجاب کے کچھ نایاب فوٹو بھی اس ایڈیشن میں شامل کیے گئے ہیں۔

13 مئی 1999 کو الحمرا ہال نمبر 3 لاہور میں حجاب امتیاز علی کی یاد میں تعزیتی ریفرنس منعقد ہوا۔ اس تعزیتی اجلاس کی صدارت نامور ادیب اور شاعر احمد ندیم قاسمی نے کی اور اظہار خیال کرنے والوں میں انتظار حسین، حمید اختر، پروفیسر عبدالجبار شاکر، عالیہ شاہ، ناصر بشیر، یاسمین طاہر اور نعیم طاہر شامل تھے۔ جبکہ حاضرین میں شیخ منظور الٰہی، محترمہ نثار عزیز بٹ، مسعود اشعر اور بیگم انتظار حسین بھی موجود تھیں۔ اس تعزیتی اجلاس کی ابتدا حجاب کی بیٹی یاسمین طاہر کی گفتگو سے ہوئی۔ انہوں نے اپنی والدہ کی زندگی کے مختلف اوراق انتہائی دکھ بھری آواز میں پلٹتے ہوئے رقت کی فضا قائم کر دی۔ انہوں نے نہایت موثر انداز میں حجاب امتیاز علی کی نجی زندگی پر روشنی ڈالی۔ یہ کہہ رہی تھیں کہ جب سے ان کے شوہر امتیاز علی تاج قتل ہوئے تو وہ روزانہ ڈائری کی ابتدا اس طرح کرتیں کہ آج امتیاز کو رخصت ہوئے اتنے دن ہو گئے ہیں اور پھر اس کے بعد وہ کوئی دکھی سا شعر ضرور لکھتیں۔ نعیم طاہر نے اس موقع پر کہا کہ انہوں نے 6 برس کی عمر میں لکھنا شروع

کیا اور گیارہ برس کی عمر میں ان کا پہلا افسانہ ''میری ناتمام محبت'' کے نام سے شائع ہوا۔ نعیم طاہر نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے تخلیقی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر نے کہا کہ حجاب امتیاز علی کے لکھے ہوئے ایک ایک لفظ کو محفوظ کیا جانا چاہیے کیونکہ ان کی تحریر انسانی زندگی اور فکر کے تمام دائروں کو چھوتی ہے۔ ناصر بشیر نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے ادبی کارناموں کا احاطہ کیا۔ عالیہ جلیل شاہ نے بھی حجاب کی شخصیت اور فن پر سیر حاصل مضمون پڑھا۔ انتظار حسین کا مضمون بہت دلچسپ تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں سال کے آخری سورج کی روشنی سے ملاقات کی دعوت دی۔ جب گھر میں سب لوگ جمع ہو گئے تو وہ بار بار باہر جاتیں اور آ کر بتاتیں بس اب اس سال کے سورج کو ڈوبنے میں کچھ ہی لمحے باقی ہیں۔ آیئے مل کر اس سال کے سورج کی روشنی کو الوداع کہیں۔ افسوس کہ اب اس طرح کی مسرتیں بکھیرنے والے رخصت ہو رہے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ حجاب امتیاز علی اپنے منفرد اسلوب کی موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ انہوں نے اپنے کسی پیش رو کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنا الگ سے اسلوب دریافت کیا۔ وہ 40 کی دہائی میں تہذیب نسواں میں باقاعدگی سے ڈائری لکھا کرتی تھیں۔ اکثر کسی اشاعت میں ان کی ڈائری شامل نہ ہوتی تو پشاور سے کلکتہ تک خواتین بلبلا اٹھتی تھیں۔ (92)

حجاب امتیاز علی تاج کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف

نغماتِ موت (مضامین) محبوب المطابع برقی پریس دہلی بار اول 1932

ادبِ زریں (مضامین) عصمت بک ڈپو، دہلی، بار اول 1932

خلوت کی انجمن (مضامین) دارالاشاعت پنجاب لاہور، بار اول 1934

تصویرِ بُتاں (خاکے رمضامین) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، بار دوم 1998

میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان (افسانے) دارالاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1932

لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے دارالاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1933

کاؤنٹ الیاس کی موت (افسانے) دارالاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1935

تحفے اور دوسرے شگفتہ افسانے دارالاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1939

ممی خانہ اور دوسرے ہیبت ناک افسانے یونائیٹڈ پبلشرز لاہور بار اول 1945

ڈاکٹر گار کے افسانے دارالاشاعت پنجاب لاہور بارِ اوّل س۔ن

وہ بہاریں یہ خزائیں (افسانے) دارالاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1964

صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان (افسانے) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1993

احتیاطِ عشق (افسانے) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1994

کالی حویلی اور دوسری خوفناک کہانیاں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1990

ظالم محبت (ناولٹ) ادارہ تاج حجاب لاہور بار پنجم 1983

اندھیرا خواب (ناول) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1991

پاگل خانہ (ناول) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1990

لیل ونہار (روزنامچہ) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1998

موم بتی کے سامنے (روزنامچہ) آئینہء ادب لاہور 1967

بہاریں، جنوں اور موٹر پمپ (ڈراما) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور باردوم 1998

سوکھے پتے اور دوسرے ڈرامے سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور باردوم 1998

چچا بھتیجیاں (ڈراما) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور باردوم 1998

ننھی بیبیاں (ترجمہ) دارالاشاعت پنجاب لاہور 1968

غیر مطبوعہ تصانیف

وہ طویل روشن گرمیاں (ناول)

لیل ونہار (حصہ دوم) روزنامچہ

افسانوی مجموعے

میری ناتمام محبت اور دوسرے رو مان

''میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان'' حجاب کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ جسے پہلی مرتبہ 1932 میں دارلاشاعت پنجاب لاہور نے اور 1992 میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔اب یہ میری ناتمام محبت اور دوسرے افسانے کے نام سے اشاعت آشنا ہوا۔اس مجموعے کا انتساب انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کے نام کیا ہے۔اس میں تین طویل افسانے شامل ہیں اس لیے ہم انہیں طویل مختصر افسانے بھی کہہ سکتے ہیں۔کچھ ناقدین ادب اسے ناولٹ بھی قرار دیتے ہیں۔یہ تمام افسانے حجاب کی ابتدائی ادبی دور کی یادگار ہیں۔ان تمام افسانوں کا مرکزی موضوع محبت ہے۔اس مجموعے میں شامل پہلا افسانہ ''میری ناتمام محبت'' کتابی شکل میں آنے سے قبل ادبی جریدہ نیرنگ خیال میں بالاقساط چھپا۔اس کی پہلی قسط جنوری 1932 اور دوسری فروری 1932 اور تیسری مارچ 1932 میں چھپی۔ 1981 کے نگار افسانہ نمبر میں بھی یہی افسانہ شائع ہوا۔یہی وہ افسانہ ہے جس کے بارے مصنفہ یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ انہوں نے یہ افسانہ ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں لکھا۔وہ اس افسانوی مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتی ہیں:

''ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں بغیر کسی مشاہدے اور تجربے کے محبت جیسے عمیق موضوع پر اتنا بے دھڑک لکھنا لڑکپن کی بے باکی اور حماقت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔''(93)

بیشتر ناقدین ادب حجاب کے اس دعویٰ کو درست تسلیم نہیں کرتے اور ہماری بھی یہی رائے ہے کہ انہوں نے یہ افسانہ 23یا24 سال کی عمر میں لکھا۔ہمارے نقطۂ نظر سے اس نوعیت کا افسانہ کسی بالغ ذہن کی تخلیق ہو سکتا ہے۔عدم بلوغت کے زمانے میں اس کے لکھنے کا دعویٰ مصنفہ کی انتہائی مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔

اس افسانے کا موضوعاتی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مرکزی موضوع محبت ہے۔
اس افسانے کا فکری اور فنی جائزہ لیا جائے تو سب سے نمایاں بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حجاب امتیاز علی نے خاندانی فیصلوں کی بھینٹ چڑھنے والی لڑکی کے احساسات اور جذبات کی عکاسی انتہائی عمدگی کے ساتھ کی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار روحی ہے۔ یہ حجاب کا اپنا افسانوی نام ہے۔ اسی پہلے مجموعے میں ان کے دوسرے دو افسانے نارنگی کی کلیاں اور نادیدہ عاشق بھی شامل ہیں۔ یہ سب کے سب طویل افسانے ہیں اور تمام افسانوں کا انجام المیہ ہے۔
مغربی ادب کے رومان میں عمروں کا فرق قابل توجہ نہیں ہوتا۔ میری ناتمام محبت میں مغربی رومانیت کی جھلک نمایاں ہے کہ اس میں ایک لڑکی (روحی) اپنی عمر سے کئی برس بڑے کیپٹن فکری سے محبت کرتی ہے۔ اس نوعیت کی محبت کو انگریزی اصطلاح میں Calf Love کہتے ہیں۔
حجاب کی ابتدائی کاوش ہونے کی وجہ سے اس افسانے کا پلاٹ اگرچہ زیادہ پختہ اور جاندار نہیں ہے تاہم یہ غیر مربوط بھی نہیں ہے۔ اس افسانے کی فضا نہایت رومانوی ہے۔ یہ تخیل آفریں افسانہ سادہ بیانیہ تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ مکالمات کی پیوندکاری نے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔ اس کی زبان شعریت اور رنگینی سے بھرپور ہے:

> ''باغیچے میں مشرقی گرم ممالک کا آفتاب چمک رہا تھا۔ خوش رنگ کلیاں حنا کے پھولوں پر بیٹھی رسیلے گیت گا رہی تھیں۔ پاس ہی شاہ بلوط پر کوئی ایک چھوٹا سا پرندہ بیٹھا سریلی سیٹیاں بجا رہا تھا۔ آہ! یہ کہیں میری ناکام زندگی پر نوحہ نہ کر رہا ہو۔ کہیں اسے میری بربادی کی خبر نہ پہنچ گئی ہو۔'' (94)

''نارنگی کی کلیاں'' یہ اس مجموعے کا دوسرا افسانہ ہے۔ اس افسانے کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا حصہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر جاذب نارنگی کی کلیوں کو دیکھ کر کیوں متوحش ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر جاذب اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ کہ وہ جس عورت سے محبت کرتے تھے وہ دراصل ان کے بھائی کی پسند تھی لیکن وہ عورت ان کے بھائی زرتاب کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ دونوں شادی کر لیتے ہیں لیکن شادی کے دن نارنگی کی کلیوں میں چھپا ہوا سانپ ان کی بیوی کو ڈس لیتا ہے۔ یوں نارنگی کلیاں ان کی خوشیوں کی قاتل بن جاتی ہے۔ افسانے کے دوسرے حصے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ڈاکٹر جاذب اپنی بیوی کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر پاتا اور اپنا ذہنی

توازن کھو بیٹھتا ہے۔ انہیں کچھ عرصہ پاگل خانے میں زیر علاج رہنا پڑتا ہے۔ جب وہ صحت یاب ہو جاتے ہیں تو ان کے معالجین انہیں سیر و سیاحت کا مشورہ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر جاذب کئی مرتبہ اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ موت سے بچا لیتے ہیں۔ یوں یہ کہانی بہت دلچسپ انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ افسانے کا پلاٹ نہایت پیچیدہ ہے۔ بہت سے واقعات کو ایک کہانی میں سمو دیا گیا ہے۔ تاہم یہ افسانہ دیگر تمام حوالوں سے حجاب کی فنی پختگی کی مثال ہے۔ اس میں ڈاکٹر جاذب روحی کو اپنی آپ بیتی سناتے ہیں۔ اس آپ بیتی میں ان کی داستانِ عشق اور نارنگی کی کلیوں کو دیکھ کر وحشت زدہ ہونے کے اسباب شامل ہیں۔

حجاب کا یہ افسانہ بھی اس دور کی یادگار ہے جب وہ مغربی رومانی ادیبوں کا بڑی باقاعدگی سے مطالعہ کرتی تھیں۔ مغربی ادب سے گہری واقفیت کی بناء پر حجاب کے یہاں بھی مغربیت کی شان موجود ہے اور ان کے اکثر افسانوں میں عورت اظہار محبت میں پہل کرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ اظہار محبت مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ کبھی براہ راست، کبھی خطوط سے، کبھی اپنی حرکات و سکنات سے اور کبھی ایک سادہ سے کاغذ پر محض محبوب کا نام لکھ دینے سے۔ اس افسانے میں عورت کی طرف سے اظہار محبت کی مثال دیکھیے:

”میں نے کاغذ کو دیکھا جس پر میرا نام تین دفعہ نہایت خوبصورت حروف میں لکھا ہوا تھا۔ جاذب۔ جاذب۔ جاذب۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ میری طرف نہایت شوق سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی چنگاریاں دمک رہی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر پیار کے پھول کھل رہے تھے۔“(95)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سادہ کاغذ کے ایک پرزے پر لکھا ہوا محبوب کا نام ہی اظہار محبت کا وسیلہ ہے۔ حجاب کا یہی انداز منفرد ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اُردو افسانہ نگاری میں ایک علاحدہ مکتبۂ فکر کا مقام حاصل کر چکی ہے۔ اس افسانے میں عورت کی نفسیات کی ترجمانی بھی ملتی ہے کہ عورت جب بھی محبت کرتی ہے تو ٹوٹ کر کرتی ہے اور مکمل وجود کے ساتھ کرتی ہے۔ اس کے نزدیک دنیا کی ہر خوشی محبت کے جذبے میں ہی پوشیدہ ہوتی ہے۔ محبت کے ان جذبات کا اظہار اور اثبات اس کہانی کا ہیرو ڈاکٹر جاذب بھی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”میں جانتا ہوں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ عورتیں جب کسی سے۔۔۔ کسی خوش قسمت

سے واقعی محبت کرتی ہیں تو وہ کائنات کو ایک جزیرہ عشق خیال کرنے لگتی ہیں اور اگر چہ جسمانی لحاظ سے وہ خود نہایت کمزور ہوتی ہیں مگر ان کی محبت کی طاقت کا مقابلہ خدا اگر مجھے معاف کرے تو میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ الوہیت کی قوت بھی نہیں کر سکتی۔'' (96)

اس افسانے میں کرداروں کی ظاہری شکل وصورت کے ساتھ ساتھ ان کی سیرت اور کردار کو واضح کیا گیا ہے۔ خاص طور پر افسانے کی ہیروئن شیریں کے کردار میں بڑی کشش ہے۔ اس کا مشرقی حسن، اس کے مزاج کی نسوانیت، نزاکت اور سب سے بڑھ کر جذبہ محبت کی پاکیزگی اس کے کردار کو اور بھی زیادہ جاذبِ توجہ بنا دیتی ہے۔ افسانہ نگار نے اس کے حسن و جمال کی جو تصویر کشی کی ہے اور اس تصویر کشی کے لیے جو پیرایہ اظہار اختیار کیا ہے وہ نہایت دل آویز ہے۔ یہ سطور دیکھیے:

''میں نے اس قدر پیارا اور بھولا چہرہ کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ مشرقیوں کا حسن تھا۔۔ سرخ و سفید چہرہ۔۔۔ ایشیائی حسن سے معمور سیاہ آنکھیں۔۔۔ سیاہ چمکیلے لمبے لمبے بال۔۔۔ چھوٹا سا قد اور شریف خواتین کی سی فطری شرم وحیا۔'' (97)

حجاب کے پہلے افسانوی مجموعہ پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے شاعر اور نقاد ڈاکٹر اسلم انصاری نے راقم کو ایک استفسار کے جواب میں لکھا:

''اس مجموعے کے رومانوی کردار، رومانوی ماحول اور کرداروں کے رومانوی رویے متاثر کن ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر میری ناتمام محبت میں زیریں سطح پر رواں رہنے والا ایک گداز (Pathos) ہے، جو کہانی کو کسی قدر گہرائی بھی عطا کرتا ہے اور انسانی سطح کی معنویت بھی۔ (98)

لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے

حجاب امتیاز کی افسانہ نگاری کا دوسرا اہم رنگ اور دوسری نمایاں جہت خوف، دہشت اور ہیبت اور اسرار ہے۔ ان کے ہیبت ناک افسانوں پر مشتمل پہلا مجموعہ لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے دارالاشاعت پنجاب لاہور کے زیرِ اہتمام 1932 میں چھپا۔ یہی مجموعہ اسی سن میں یونائیٹڈ پبلشرز لاہور کی طرف سے بھی چھپا۔ اس میں ان کے چھ ہیبت ناک افسانے شامل ہیں۔ ان افسانوں کے عنوانات ہیں: ''لاش''، ''شیطان''، ''مردے کی چیخ''، ''مردے نے کیا کہا''،

''شامت اعمال'' اور ''جشن'' ان کے اسی نوعیت کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ کاونٹ الیاس کی موت اور دوسرے ہیبت ناک افسانے دارالاشاعت پنجاب لاہور کے زیر اہتمام 1935 میں چھپا۔ اس میں یہ افسانے شامل ہیں: ''کاونٹ الیاس کی موت''، موت یا ہلاکت''، ''نیلا لفافہ''، ''دریائے شون کا پل''، ''اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا''۔ 1945 میں یونائیٹڈ پبلشرز لاہور کے زیر اہتمام ان کے سات افسانوں پر مشتمل ہیبت ناک افسانوں کا مجموعہ ممی خانہ اور دوسرے ہیبت ناک افسانے شائع ہوا۔ اس میں ان کے یہ افسانے شامل ہیں۔ ''مہمان داری''، ممی خانے میں ایک رات''، ''ڈرائیور''، ''پچیس منٹ''، ''جو کچھ کہ دیکھا''، ''جنازہ اور کیبابوت کے آسیب زدہ جنگل''۔ 1990 میں ان کا اسی طرح کے افسانوں پر مشتمل مجموعہ ''کالی حویلی اور دوسری خوفناک کہانیاں'' کے نام سے سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے چھاپا۔ اس میں زیادہ تر وہی افسانے شامل ہیں جو مذکورہ بالا مجموعوں میں بھی چھپ چکے ہیں۔ اس مجموعے میں کل چوبیں افسانے شامل ہیں۔ وہ افسانے جو پہلے تین مجموعوں میں شامل نہیں کیے گئے تھے، یہ ہیں: ''ایک مریض''، ''کالی حویلی''، ''ہنسا کون''، ''کمرہ نمبر 117''، ''فوٹو گرافر''، ''شب گزیدہ''، ''درزی''، ''کرائے کا مکان''، ''چیخیں'' اور ''انتقام''۔

حجاب کے ہیبت ناک افسانوں کا پہلا مجموعہ لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے پہلے افسانے کا عنوان ''لاش'' ہے۔

اس افسانے میں فیروزی (مصور) ایک مصری لڑکی سے (جو روحی کی ہم شکل ہے) والہانہ عشق کرتا ہے لیکن وہ ایک فوجی کپتان پر فریفتہ ہے۔ وہ اسے ہر چند اپنی محبت کا یقین دلاتا ہے لیکن وہ عین وقت تک اس کی محبت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی رہی۔ بالآخر اس نے اس کی شادی سے ایک روز قبل اس کو قتل کر دیا اور آج تک اس کی لاش کو اپنے سینے سے لگائے (صندوق میں بند) گھوم رہا ہے۔ اس قتل کے بعد سے اس کا ضمیر ہمیشہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہے۔ ایک مثال پیش ہے۔

''زوناش! مجھے شک ہے کہ خاتون روحی (میرا افسانوی نام ہے) اس مکان میں بدروحیں بستی ہیں۔ رات بھر میرے خواب میں خونی شکلیں اور شیطان ناچتے رہے۔ آج شام تک تمہاری صورت دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ چہرہ کیا تھا کیلے کا زرد پتا تھا۔''(99)

اس میں اضطراب مسلسل، بے چینی اور ہیبت ناکی کی فضا برقرار ہے۔ ایک بار روحی نے اس

مغموم چہرے والے سفید ریش معصوم مصور فیروزی کے صندوق میں اپنی ہی لاش دیکھی تو وہ ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی۔ مارے خوف کے روح جسم سے پرواز کرنا چاہتی تھی۔ یہ ایک طویل افسانہ ہے۔ اسکے کردار روحی، جسوتی، سرہارلی، فیروزی اور زوناش وغیرہ ہیں۔

اس افسانے میں ایک ایسے پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اکثر سماجی زندگی کا حصہ بنتا ہے۔ اس سے انکار مشکل ہے کہ یک طرفہ عشق کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ آپ جس دوشیزہ کو پیار کرتے ہوں تو وہ بھی آپ سے پیار کرے۔ اس لیے اس پر کوئی زور نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی نظر میں آپ ایک کارٹون اور جوکر سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ واضح رہے کہ انسان کو ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا احترام کرنا چاہیے۔

انسانی زندگی محبت اور نفرت کا سنگم ہوتی ہے۔ روحی بھی انسانی تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ اس طرح اس میں طنز ومزاح کی ہلکی ہلکی لہر نظر آتی ہے۔ روحی کے اظہارِ محبت کا طریقہ دیکھیے۔ وہ زوناش کو بوڑھی گائے، جنگلی چوہیا، بوڑھے جن کی بیوی، شیطان کی ساس، مینڈک، چڑیل وغیرہ کے خطابات سے نوازتی ہے تو ہنسی روکے نہیں رکتی۔

''شیطان'' اس مجموعہ کا دوسرا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ روح کر لرزا دینے والا ہے۔ اس میں روحی، جسوتی کو زبردستی کیباس کی ایک ویران حویلی میں لے کر آتی ہے جس کے متعلق بے شمار افسانے مشہور ہیں کہ اس حویلی میں مہینے کی آخری رات کو تین روحیں آتی ہیں اور خیرات مانگتی ہیں۔ اگر اس وقت ان کو خیرات نہیں ملتی تو خیرات نہ دینے والے شخص کی صبح کے وقت لاش ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مسافروں کی ضروریات کی چیزیں غائب ہوجاتی ہیں۔ اس افسانے کا انجام بڑا ہی لطیف ہے کیونکہ جو چیزیں غائب ہوتی تھیں وہ ایک بندر کی حرکت تھی اور جو روحیں خیرات مانگنے آتی تھیں وہ بھیک مانگنے والے تھے۔

اس کے اس افسانے سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ وہ پُر اسرار واقعات کی تہہ میں جا کر حقیقت پیش کردیتی ہیں۔ وہ اپنے موضوع سے یہ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ کسی کو سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ کتنی ہی حقیقت کے قریب ترین معلوم ہو رہی ہو اسکی تفتیش کر لینا لازمی ہے۔

یہ افسانہ بے حد پُر اسرار اور حیرت واستعجاب سے پُر ہے کیونکہ اس حویلی میں کچھ عرصہ پُر سکون رہنے کے بعد جسوتی کے ناشتے کے توش اور انڈے بھی غائب ہونے لگے۔ ایک اقتباس دیکھیے:

"روحی پیاری! کل تک تو لاش غائب ہوتے رہے۔ آج ایک انڈا بھی ان ظالموں نے اڑا لیا۔ کل ہم کو بھی ہضم کر جائیں گے تو کیا ہوگا۔" (100)

"مردے کی چیخ"۔ اس افسانے میں ڈاکٹر گار ایک صحرا میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اپنی بیوی کے انتقال سے بہت غمگین ہے۔ اسے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد اپنے گھر میں آدھی رات کے بعد سے ایک خوف ناک چیخ سنائی دیتی ہے اور یہ چیخ مرحومہ کی آواز سے ملتی جلتی ہے۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ پام کے درخت کی دو شاخیں مل گئی تھیں اور ہوا چلنے پر ان کی رگڑ کی آواز انسانی چیخوں میں بدل جاتی تھی۔ یہ راز روحی منکشف کرتی ہے۔ اس افسانے کے کرداروں میں روحی، جسوتی، زوناش، ڈاکٹر گار اور سرہارلی ہیں۔ روحی مستقل مزاج، ہٹ کی پکی اور دلیر لڑکی ہے۔ وہ ہر واقعہ کی تہہ تک پہنچنے میں سرگرداں رہتی ہے۔ لڑکی ہونے کی وجہ سے ڈرتی تو وہ بھی ہے مگر حد سے زیادہ نہیں۔ روحی کے برعکس جسوتی ایک بھولی بھالی لڑکی ہے۔ وہ ارواح، جنات اور بھوت پریت کی باتیں سن کر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ اس افسانے میں ایک معمولی سے واقعہ کو غیر معمولی اسرار میں بدلنے کی کوشش کی گئی ہے۔

"حبشن" اس مجموعے کا آخری افسانہ ہے۔ یہ توہم پر مبنی ہے۔ اس افسانے کی فضا بھی ہیبت ناک ہے۔ افسانے میں روحی ایک حبشن سے بیر لینے سے انکار کر دیتی ہے۔ حبشن ایک جادوگرنی ہے۔ وہ روحی کو زبردستی بیر دینا چاہتی ہے۔ روحی اس سے وحشت محسوس کرتی ہے۔ حبشن کے تمام تر اصرار کے باوجود روحی اس سے بیر نہیں لیتی اور وہ انتقاماً بلی بن کر روحی کو زخمی کر دیتی ہے۔ اس افسانے میں بھی حجاب ہیبت ناک اور پُر اسرار فضا کو انتہائی موثر انداز میں پیش کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ اس افسانے کی یہ سطور دیکھیے:

"آخر کیا ہوا تھا تمہیں؟۔۔۔ میری پیاری کسی نے تمہیں مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ وہ چلا چلا کر سوال کر رہی تھی۔ سفید رنگ اور چھوٹے سے قد والی لڑکی دریچے کے آگے دھوپ میں یونانیوں کے حسن و عشق کی جیتی جاگتی تصویر معلوم ہو رہی تھی۔" (101)

کاونٹ الیاس کی موت اور دوسرے ہیبت ناک افسانے میں شامل پہلا افسانہ "کاونٹ الیاس کی موت" پُر اسرار اور بے حد خوف ناک افسانہ ہے۔ کاونٹ الیاس نے شادی نہیں کی تھی۔ وہ ایک ماہر روحانیات تھے۔ ان کے یہاں روحانی ادب پر رات بھر مجلسیں ہوتیں اور روحیں بلائی جاتی تھیں۔ اس عمل میں وہ اس قدر محو اور مستغرق رہتے تھے کہ ان کی خوراک بہت کم رہ گئی

تھی۔ وہ بہت کم کھاتے تھے اس لیے بیمار پڑ گئے تھے۔ انہیں روحیں دکھائی دیتی تھیں اور وہ روحی سے کہتے تھے کہ میری روح انتقال کرنے کے بعد تم لوگوں کی نگرانی کرے گی۔ پھر ایک روز ان کا انتقال ہو گیا۔ دوسرے روز ان کی لاش باورچی خانے میں ملی۔

روحی، ڈاکٹر گار اور جیشن وغیرہ بے حد پریشان تھے۔ کاونٹ الیاس کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر پہرا بٹھا دیا گیا۔ جب تک پہرہ اداری کا سلسلہ برقرار رہا کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد ایک روز کاونٹ الیاس کی پانچ انگلیاں کمرے میں آ کر گریں۔ اس حادثے سے روحی کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک اس امر کا کھوج نہ مل سکا کہ ایسا کیوں ہوتا رہا؟ لیکن آخر ایک روز ڈاکٹر گار نے کاونٹ الیاس کے پرانے نوکر احمد کو پکڑ لیا۔ یہ سب اس کی حرکات تھیں لیکن وہ یہ سب حرکات اَن جانے میں اور غیر ارادی طور پر کیا کرتا تھا۔ اسے کاونٹ الیاس سے بے حد محبت تھی۔ کاونٹ الیاس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے وہ دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔ اس لیے اسے رات کو سوتے میں اس کا جذبہ محبت قبر پر لے جاتا اور وہاں جا کر اس سے یہ حرکتیں سرزد ہوتی تھیں۔ اس افسانے کو ہم حجاب کے لکھے نفسیاتی نوعیت کے افسانوں میں بھی شمار کر سکتے ہیں۔

''محبت یا ہلاکت''۔ یہ اس مجموعے کا دوسرا افسانہ ہے۔ اس میں حیاتِ انسانی کا عبرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا اسلوب شاعرانہ ہے۔ جاوید بیروت سے والہانہ عشق کرتا ہے مگر بیروت کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ ڈاکٹر رُشدی کی محبت میں مبتلا ہے۔ ناکامی اور نامرادی سے تنگ آ کر جاوید ڈاکٹر رُشدی کو قتل کر دیتا ہے۔ اس کا ضمیر اسے مسلسل پریشان کیے رکھتا ہے۔ با لآخر تین سال بعد وہ اپنے جرم کا اقرار کر لیتا ہے اور جان بھی دے دیتا ہے۔ جذبات اور احساسات میں ڈوبے اس افسانے کا یہ اقتباس دیکھیے:

''میں کچھ سوچتا ہوا دریچے تک آیا۔ آسمان پر بادلوں کے بے ڈھنگے ٹکڑے آوارہ پھر رہے تھے۔ ہوا میں زیتون کے پتے اداسی سے ہل رہے تھے۔ کائنات کی ہر چیز پژمردہ سی نظر آ رہی تھی۔ میں ایک اہم اور پیچیدہ معاملے پر غور کر رہا تھا جو میری سمجھ سے یقیناً بالاتر تھا۔ وہ کیا معمہ تھا۔'' (102)

ممی خانہ اور دوسرے ہیبت ناک افسانے میں شامل پہلے افسانے کا عنوان ''مہمان داری''

ہے۔ یہ افسانہ بھی اپنے اندر پُر اسراریت لیے ہوئے ہے۔ تاہم آغاز میں کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ آنے والے صفحات اپنے اندر کس نوعیت کی ہیبت سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس افسانے کی کہانی یہ ہے کہ افسانے کی واحد متکلم روجی سیر و سیاحت کی دل دادہ ہے اور سمرو کے کھنڈرات دیکھنے کا اشتیاق رکھتی ہے اور اکثر و بیشتر ڈاکٹر گار سے اس امر کا اظہار کرتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر گار روجی کو بتاتا ہے کہ سمرہ میں مادام حمرہ نامی اس کی سابقہ مریضہ رہتی ہے جو اکثر اُن سے اصرار کرتی رہتی ہے کہ وہ اسے شرف میزبانی بخشے اور اس کا مہمان بنے۔ اب ڈاکٹر گار نے مادام حمرہ کو مطلع کیا ہے کہ وہ ان کے ہاں آنے کا پروگرام رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں مادام حمرہ لکھتی ہیں کہ وہ بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ یہاں تک تو کہانی میں کسی قسم کی خوف ناکی کا کوئی عنصر نہیں ہے۔ اسے ہم کہانی کا پس منظر بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہانی یوں آگے بڑھتی ہے کہ ڈاکٹر گار روجی، جسوتی سب اپنی کار میں سمرو کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار نے یہاں راستے کا منظر بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ اور ارد گرد کے مناظر کی اتنے پُر اسرار انداز میں منظر کشی کی ہے کہ قاری اور زیادہ متجسس ہو جاتا ہے۔

یہ ایک اقتباس دیکھیے:

''سڑک پر کوئی راہ گیر نہ تھا۔ زرد چاند موسم گرما کے شفاف آسمان پر دم بخود تھا۔ تاڑ کے فلک بوس چھتری نما درخت رات کی فسوں کاری سے مبہوت کھڑے تھے۔۔ اس وقت تاڑ کے دیو قامت درخت پر تہذیب و تمدن سے نا آشنا صحرائی اُلو نے ایک وحشیانہ چیخ ماری۔ بھلا جسوتی کے کان جو ستار کی موسیقی اور محبت کی شیریں سرگوشیوں کے عادی تھے۔ اُلو کی اس زیادتی کی تاب کب لا سکتے تھے۔ وہ مارے خوف کے مجھ سے چمٹ گئی۔'' (103)

وہ ایک ویران جگہ پہنچے جہاں انہیں کسی دوسری سواری کا یقین نہیں تھا لیکن ایک طرف سے ایک مضحکہ خیز گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ ڈاکٹر گار نے گاڑی بان کو مخاطب ہو کر کہا۔ بڑے میاں! ایوب محلّہ میں عشرت خانہ نامی کوٹھی تک ہمیں پہنچا دو گے۔ گاڑی بان نے بغیر دیکھے اکھڑ لہجے میں جواب دیا۔ نہیں بارہ بج گئے ہیں۔ دیر ہو گئی ہے۔ روجی اور جسوتی گاڑی بان کے پاس گئیں۔ روجی نے جاتے ہی چاندی کا ایک چمک دار سکہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا اور بولیں۔ اب ہمیں جلدی سے عشرت خانہ پہنچا دو۔ وہ مودب لہجہ میں بولا۔ سوار ہو جایئے حضور! دو گھنٹے میں

پہنچادوں گا۔ (یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ لوگ جس کار میں سفر کرتے آ رہے تھے وہ خراب ہوگئی تھی اور تمام تر کوششوں کے باوجود سٹارٹ نہیں ہوئی تھی)۔

اب یہ لوگ اس دیہاتی گاڑی پر سفر کر رہے تھے جو کسی جاں بلب مریض کی طرح آہستہ چل رہی تھی۔

چلتے چلتے دور سے ایک سفید عمارت نظر آنے لگی۔ یک لخت بوڑھا ڈاکٹر گار گاڑی بان کے اوپر اور روحی جسوتی کے اوپر جا گری۔ اس طرح ان کی یہ مضحکہ خیز گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ عشرت خانہ کے شان دار پھاٹک میں مڑ گئی۔ اب ان لوگوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پہلے آہستہ آہستہ پھر کچھ دیر بعد زور زور سے۔ نوکروں کو پکارا۔ چوکی دار کو آوازیں دیں۔ ہر طرح سے کوشش کر لی مگر زرد چاندنی میں سفید مرمریں محرابوں والا عالی شان محل خاموش کھڑا رہا۔ جب مایوس ہو کر یہ لوگ زینے سے اترنے لگے تو اچانک کسی کمرے سے ایک ایسی آواز آئی جیسے کسی نے دیا سلائی جلائی ہو۔ یہ تمام لوگ دوبارہ زینہ طے کر کے دروازے کے پاس اس امید سے جا کھڑے ہوئے کہ کھلتا ہے اور اب کھلتا ہے۔ اندر سے کبھی کبھی کوئی مدھم سی آواز آ جاتی تھی۔ یہ لوگ بند دروازے پر نظریں گاڑے کھڑے رہے۔ ڈاکٹر گار بے زار ہو کر چلایا! ارے بھئی یہاں کوئی ہے بھی؟ چلانے کا اثر یہ ہوا کہ اندر پھر کچھ گڑ بڑ سی ہونے لگی۔ اچانک دروازہ اس زور سے کھلا کہ ان سب کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ دروازہ کے سامنے کوئی بھی موجود نہ تھا۔ ڈاکٹر گار پریشان ہو کر بولا کہ یہ دروازہ کس نے کھولا ہے؟ یک لخت پھر اندر کے دروازے کے پٹ کھلنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی سرد اور تند ہوا کا جھونکا بھی آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تاریکی میں ہلکی سی روشنی نظر آنے لگی جو بتدریج موم بتی میں تبدیل ہوگئی۔ ان لوگوں نے موم بتی سے نگاہ ذرا اوپر کو اٹھائی تو اٹھائیس، انتیس سالہ ایک حسین اور دل فریب خاتون نظر آئیں۔ اس کے ہاتھ میں موم بتی تھی۔ ڈاکٹر گار کو دیکھ کر مسکرائی اور سر جھکایا۔ ڈاکٹر گار نے کہا یہ دونوں لڑکیاں میری بیٹیاں ہیں۔ انھی کا ذکر میں نے خط میں کیا تھا۔ کوئی بات کہے بغیر اس نے اشارے سے انہیں اپنے پیچھے بلایا اور روشنی دکھاتے ہوئے خود سامنے چلنے لگی۔ ایک بل کھاتے ہوئے ناگ کے پھن پر موم بتی جل رہی تھی۔ یہ تمام تر صورت حال گھر کا عجیب پُر اسرار ماحول، تاریکی اور ویرانی، خاتون کی پُر اسرار حرکات مہمانوں کو خوف زدہ کر دیتی ہیں۔ افسانہ نگار قاری میں تجسس پیدا کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ پڑھنے

والے ذہن میں دوران مطالعہ بے شمار سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نہ جانے حقیقت کیا ہو۔
ڈاکٹر گار کے بقول خاتون حمرہ بہت باتونی تھی لیکن اب ایسا نہیں نظر آ رہا تھا۔ وہ تو کوئی گونگی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ یہ خاتون انہیں کھانے کی میز پر لے جاتی ہے لیکن ڈاکٹر گار کھانے سے انکار کر دیتے ہیں اور آرام کے لیے کہتے ہیں۔ وہ خاتون سب کو ان کے سونے کے کمروں تک پہنچا دیتی ہے اور اشارے سے شب خیر کہہ کر چلی جاتی ہے۔

جسوتی اور روحی تمام دن کے گزرے واقعات کو دہرا کر خوف محسوس کرتی ہیں۔ صبح جب یہ لوگ بیدا ہوتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ عشرت خانہ کی ہر چیز دھول میں اٹی ہوئی ہے۔ تمام دروازے بند تھے۔ ہر طرف سناٹا اور ویرانی تھی۔ ہر کمرہ خالی تھا۔ ان لوگوں نے ساری کوٹھی دیکھ ڈالی۔ اس میں کہیں کوئی متنفس نہ تھا۔ سب لوگ دہشت زدہ ہو گئے۔

یہ راتوں رات کیا ہو گیا؟ نوکر کدھر گئے؟ مادام حمرہ کہاں گئی؟ اتنے میں بوڑھا ملازم باغ سے ہو کر اندر آیا اور چپ چاپ ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے فرنیچر نکال نکال کر باہر رکھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ زور زور سے روتا بھی جاتا تھا۔ ڈاکٹر گار نے اس سے پوچھا کہ مادام حمرہ کہاں ہے؟ وہ دیوانوں کی طرف ڈاکٹر کا منہ تکنے لگا۔ ڈاکٹر گار کے اصرار پر بوڑھے نے حیران ہو کر کہا۔ مادام حمرہ؟۔۔۔ آہ! حضور بیگم صاحبہ کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ ان کے انتقال کو آج پورے دس دن ہو گئے ہیں۔ آج گھر کا سارا سامان نیلام ہونے والا ہے۔ یہ سن کر روحی پر دہشت طاری ہو گئی۔

"یہ سنتے ہی میں نے جسم میں ایک پھریری سی محسوس کی۔ رات کا وہ پُراسرار سرد ہوا کا جھونکا، پھر ایک دفعہ مجھے محسوس ہونے لگا اور میں بیدِ مجنوں کی طرح کانپنے لگی۔ اس کے بعد مجھے مطلق یاد نہیں کہ کیا ہوا۔" (104)

فنی اعتبار سے یہ افسانہ بے حد خوبصورت ہے۔ افسانہ پراسراریت کی فضا میں ڈوبا ہوا ہے۔ منظر نگاری ہو یا مکالمات کی ادائی، حجاب نے بھرپور طریقے سے پراسرار ماحول تخلیق کیا ہے۔ پلاٹ میں ربط اور تسلسل موجود ہے۔ بات میں زور اور تاثیر پیدا کرنے کے لیے افسانہ نگار نے بعض مقامات پر بڑی موزوں تشبیہات سے کام لیا ہے۔

کالی حویلی میں شامل حجاب کا افسانہ "درزی" ایک شاہکار افسانہ ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

نے اپنی کتاب پاکستان کے شاہکار اُردو افسانے میں اسے شامل کیا۔(105)

کالی حویلی میں شامل دیگر افسانوں کی طرح یہ افسانہ بھی عجیب و غریب، پراسرار اور دلچسپ کہانی پر مبنی ہے۔ اس میں خوف انگیز بات تو نہیں ہے لیکن کہانی کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ خود بخود دلوں پر خوف کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک روز روحی اپنی کار پر اپنی سہیلی شمی کو لے کر لبرٹی مارکیٹ کی طرف جا نکلی۔ اس کی سہیلی کو کسی موزوں درزی کی تلاش تھی جو قریب آنے والی عید سے پہلے اس کے کپڑے سی دے۔ اسی درزی کی تلاش میں سڑکوں پر گھومتے ہوئے دونوں خواتین نے ایک تناور درخت سے قُو قُو کی آواز سنی۔ اس پر روحی نے شمی سے کہا کہ مجھ میں دوبارہ رات کے اس پرندکی قُو قُو سننے کی ہمت نہیں۔ اس کی آواز بڑی ڈراونی تھی۔ بہر حال شمی اور روحی لبرٹی مارکیٹ میں داخل ہوگئیں مگر وہاں کسی درزی نے عید سے پہلے کپڑے سی دینے کی ہامی نہ بھری۔ اب وہ مایوسی کے عالم میں واپس جا رہی تھیں کہ اچانک یو۔سی۔ایچ (U.C.H) کے سامنے ایک شخص کار کے آگے آ گیا۔ شاید وہ سڑک پار کرنا چاہتا تھا۔ اگر روحی نے بروقت بریک نہ لگائی ہوتی تو وہ شخص یقیناً کار کے نیچے کچلا جاتا۔ اس شخص کی بغل میں ایک پوٹلی تھی جس میں سے کچھ سفید رنگ کے کپڑے باہر لٹک رہے تھے۔ یہ دیکھ کر شمی نے کہا ۔روحی ٹھہرو، شاید یہ درزی ہو کیوں کہ اس کی بغل میں کپڑے ہیں۔ یہ لوگ اپنی کار اُس کے قریب لے گئے اور شمی نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ اس کا لباس سی دے گا۔ اس کی سفید رنگت، سفید آنکھوں کی وجہ سے خاصی خوف ناک دکھائی دے رہی تھی۔ شمی کی بات سن کر اس نے جواب دیا۔ ہاں مجھے لباس سینا ہی پڑے گا۔ اس پر شمی نے کہا کہ میں تمہیں گھر کا پتہ لکھ دیتی ہوں۔ اگر تم وہاں آ جاؤ تو میرا ناپ لے سکو گے۔ اس پر درزی نے بڑی عجیب و غریب بات کہی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے پتے کی ضرورت نہیں۔ اسے جہاں پہنچنا ہوتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ شمی نے پوچھا تم کس وقت آ ؤ گے۔ درزی کا جواب تھا اسی وقت۔ اس پر شمی کہنے لگی۔ اب تو رات کے دو بج رہے ہیں۔ درزی کا جواب تھا۔ اس سے پہلے مجھے فرصت نہیں۔ اس پر روحی نے پریشان ہو کر کہا کہ شمی تم نے اس درزی سے یہ وقت طے کر کے اچھا نہیں کیا۔ جانے وہ کون شخص تھا۔ شمی کا جواب تھا درزی تھا اور کون ہوتا۔ جب کہ روحی اس کے بارے میں مطمئن نہیں تھی۔ اس پر شمی کہنے لگی:

”توبہ، روحی، تمہاری نازک مزاجیوں نے آفت ڈھا رکھی ہے۔ تم کو تو متاثر ہونے کا

بہانہ چاہیے۔ موسیقی، شعر اور رنگ کے سوا تم کو تو کوئی چیز بھی پسند نہیں آتی۔ روحی نے جواب دیا مجھے کائنات کا سارا حسن پسند ہے۔" (106)

گھر واپس آتے ہوئے راستے میں روحی نے شمی کو کہا کہ تمہارے درزی کی آنکھیں دودھ کی طرح سفید تھیں۔ مجھے تو اس کی آنکھوں میں سیاہی کہیں بھی نظر نہ آئی۔ وہ تمہارے کپڑے کیسے سیئے گا۔ دوسری رات ڈیڑھ بجے شمی نے زوناش سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ مجھے اسپرو کی گولی دو اور میرا سر دبا دو۔ زوناش نے روحی کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ شمی کے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔۔ یہ افسانہ ان خوفناک اور پراسرار فقروں پر ختم ہوتا ہے:

"گھڑیال نے ٹن ٹن دو بجائے، باہر کے صدر دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے جا کر دروازہ کھول دیا۔ وہاں درزی کھڑا تھا۔ "میں کفن سینے آیا ہوں"۔ (107)

حجاب کا یہ افسانہ جہاں پراسرار اور ہیبت ناک ہے وہاں اس کا دلکش اسلوب تحریر اسے حجاب کا ایک نمائندہ افسانہ بنا دیتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کا برمحل استعمال بات میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ افسانے کے مکالمے افسانہ نگار کی مکالمہ بازی پر مکمل دسترس کا ثبوت ہیں۔

اگر ہم ان کے اس نوعیت کے افسانوں کا مجموعی طور پر جائزہ لینا چاہیں تو سب سے پہلی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے کہ ان تمام افسانوں میں پلاٹ کی بنیاد مشرقی توہمات اور روحانیات سے متعلق عوامی عقائد پر رکھی گئی ہے۔ ان افسانوں میں کہیں واقعات کے ذریعے، کہیں کرداروں اور کہیں منظر نگاری کے ذریعے اسراریت اور ہیبت ناکی پیدا کی گئی ہے۔ فن کے اعتبار سے ان پراسرار افسانوں میں یہ خوبی ہے کہ پلاٹ میں ربط اور تسلسل موجود ہے۔ یہ افسانے وحدت تاثر کی خوبی سے مملو ہیں۔ ان افسانوں کا اسلوب رنگینی اور رعنائی سے محروم ہے۔ ان میں حجاب کے پہلے افسانوی مجموعہ میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان جیسا شاعرانہ اسلوب موجود نہیں۔ منظر نگاری اور تاثرات نویسی کرتے ہوئے کہیں کہیں شاعرانہ نثر کے نمونے بھی مل جاتے ہیں۔ خوبصورت تشبیہات کا استعمال بھی کیا گیا ہے مگر ان افسانوں میں حجاب نے نئی نئی تراکیب وضع نہیں کی ہیں۔ تمام افسانوں میں مکالمے استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ مکالمے فطری اور حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ ان مکالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ حجاب صاحبہ کو مکالمہ نگاری پر خصوصی عبور حاصل ہے۔ یہ افسانے جزئیات نگاری کی بھی عمدہ مثالیں ہیں۔ موت کی تھیم ایک زیریں لہر کی طرح ہر

افسانے میں دوڑتی محسوس ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ افسانہ نگار موت سے خائف ہے اور اس کی ہول ناکی اسے مسلسل متفکر اور پریشان رکھتی ہے۔

حجاب اپنے اس نوعیت کے افسانوں میں پلاٹ یا کردار نگاری سے زیادہ پراسراریت اور رومانیت کی فضا بنانے پر زور دیتی ہیں۔ ماحول اور کہانی کی مطابقت سے وہ اپنے انداز بیان کو پراثر بنانے میں بڑی حد تک کامیاب ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے ہیبت ناک اور پراسرار افسانوں میں انسان کے جذبہ تحیر کو بیدار کرتی ہیں اور ایسے خوف ناک مناظر پیش کرتی ہیں کہ دل دہل جاتا ہے۔ یہ ان کی فنی مہارت کا واضح ثبوت ہے کہ پڑھنے والا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک تصوراتی اور فرضی دنیا میں سفر کر رہا ہے۔ خوف و ہراس کا شکار ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد عالم خان کے تجزیے کے مطابق:

”حجاب کا اپنے افسانوں میں سحر زدہ ماحول پیدا کرنا دراصل اسی ناآسودگی اور کرب ناکی کا ردعمل ہے۔ جس سے اس عہد کا انسان دوچار تھا۔ لیکن ان کے ہاں یہ عمل شعوری سطح پر نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کے کردار آسودہ، متمول گھرانوں کے افراد ہیں جو آسودگی اور راحتوں کے رومانی کرب اور دکھوں میں لذت محسوس کرتے ہیں۔۔۔ انسان کبھی ان لمحات سے لطف اندوز ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار ان دیکھا خوف اسے بے نام سی اذیت میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔“ (108)

تحفے اور دوسرے شگفتہ افسانے

زمانی ترتیب سے دیکھا جائے تو لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے، کاونٹ الیاس کی موت اور دوسرے ہیبت ناک افسانے، ممی خانہ اور دوسرے ہیبت ناک افسانے کے بعد حجاب کا جو افسانوی مجموعہ منصۂ شہود پر آیا۔ اس کا نام تحفے اور دوسرے شگفتہ افسانے ہے۔ یہ مجموعہ دارالاشاعت پنجاب لاہور کے زیر اہتمام 1939 میں چھپا۔ تحقیق کار کی تمام تر مساعی کے باوجود یہ مجموعہ کہیں سے بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ تحقیق اور جستجو کے دوران اس مجموعے کی اشاعت کا اشتہار تہذیب نسواں کی ایک اشاعت میں نظر آیا۔ اس اشتہار کی عبارت یہ ہے:

”دنیا کے ادب میں ایک خوبصورت اضافہ۔۔۔ حجاب امتیاز کا تازہ شاہکار۔۔۔ اُردو مزاح

نگاری میں ایک نیا اسلوب۔۔۔موسم بہار کے پھولوں سے زیادہ شگفتہ۔۔۔۔کلیوں کی ہلکی ہلکی سانس سے زیادہ روح افزا اور شہد سے زیادہ شیریں۔۔۔حجاب کے ہر افسانے کا ہر فقرہ عطر میں لپٹا ہوا ایک شعر ہے اور ہر افسانہ ایک مہکی ہوئی دلکش نظم معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔شوخی۔۔۔۔رعنائی۔۔۔شرارت اور چلبلاہٹ۔۔۔۔آپ کو ایسی دنیا دکھائی دے گی جہاں شیریں احساسات کی بارش ہوتی ہے۔"(109)

صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان

حجاب کا افسانوی مجموعہ صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان بھی 1939 میں دار الاشاعت پنجاب لاہور کے زیر اہتمام چھپا۔ یہ مجموعہ آٹھ افسانوں پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے میں حجاب کا افسانہ "طلوع و غروب" شامل نہیں ہے۔ اس مجموعے میں شامل پہلا افسانہ "صنوبر کے سائے" ہے۔ "صنوبر کے سائے" افسانوی ادب کے نقادوں کے نزدیک اُردو کے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔ یہ افسانہ رومانی مثالیت پسندی کا بہترین عکاس ہے۔ محبت کا نازک اور لطیف جذبہ اس افسانے کا موضوع ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رومانی مزاج کا حامل افسانہ نگار اپنی تخلیقات میں کبھی تو محبت کی آغوش میں پناہ لیتا ہے اور کبھی مناظر فطرت کے دامن میں۔ یہ افسانہ ان دونوں کیفیات کا امتزاج ہے۔ اس افسانے میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان جس سے شدید محبت کرتا ہے اس کی ہر تمنا، ہر آرزو اور ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کے لیے مشکل ترین اور بظاہر ناممکن کام بھی سرانجام دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوتا ہے لیکن اسی شدید محبت کا دوسرا رخ یعنی شک اور وہم بھی چاہنے والے کے ذہن پر غالب رہتا ہے۔ بعض اوقات یہ متضاد جذبہ فرد پر اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ محبت کا جذبہ شدید ہوتے ہوئے بھی اس کے سامنے مغلوب ہو جاتا ہے۔ شک اور وہم ایک چاہنے والے کو ایسا کام کرنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی محبوب ترین چیز سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور عمر بھر پچھتاتا رہتا ہے۔ اس افسانے کی کہانی یہ ہے کہ روحی اور جسوتی ایک پہاڑی علاقے کی سیر و سیاحت کے لیے آئی ہوئی ہیں اور وہ اس حسین وادی کی نہر روحناک پر کشتی کی سیر کو جاتی ہیں۔ یہاں کا منظر بڑا ہی رومان پرور اور دل آویز ہے۔ کشتی کا ملاح ایک سو سالہ بوڑھا شخص

ہے۔ روحی اپنے تجسس کے باعث اس سے سوالات شروع کر دیتی ہے اور اس کی باتوں سے اندازہ لگاتی ہے کہ اس بوڑھے ملاح کا ماضی افسانوں سے لبریز ہے۔ افسانے کی واحد متکلم روحی جب بوڑھے شخص سے یہ سنتی ہے کہ اس کا مسکن صنوبر کے گھنے سائے ہیں تو اس کی دلچسپی اور تجسس میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کی روداد سننے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے اور وہ بوڑھا شخص اپنی سرگزشت بیان کرنے لگتا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ آج سے ستر سال پہلے جب میں جوان تھا اور اس پہاڑی علاقے کا خوشحال تاجر تھا، ایک مرتبہ موسم بہار میں روحناک کے ساحل پر ان ہی صنوبروں کے سایوں تلے آ گیا تھا۔ یہاں میری ملاقات ایک خوبصورت پہاڑی لڑکی سے ہوگئی۔ ہم دونوں میں محبت کا رشتہ استوار ہو گیا اور میں نے جلد ہی اس سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد چھ مہینے نہایت خوشی سے گزرے پھر ایک منحوس خواب نے ہماری زندگی کا رخ پلٹ دیا۔ میری بیوی نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔ تقدیر کا فرشتہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تم نے رات تک اپنے بالوں میں کاسنی گلاب نہ سجایا تو تمہارا گھر اُجڑ جائے گا۔ یہ خوفناک خواب سن کر میں پریشان ہو گیا کیونکہ کاسنی رنگ کا گلاب ان پہاڑی علاقوں میں نہیں پایا جاتا۔ میری بیوی نامعلوم اندیشوں سے گھبرا کر رونے لگی لیکن میں نے وعدہ کیا کہ کاسنی گلاب ضرور لا کر دوں گا۔ میں بڑی مشکل سے چھ اشرفیوں میں کہیں سے کاسنی گلاب لے کر آیا اور اپنی بیوی کو دے دیا۔ اس وقت بال گیلے ہونے کی وجہ سے اس نے بالوں میں نہیں لگایا اور پھول کو باغ کی دریچی میں رکھ دیا اور یہ سوچا کہ رات پڑتے ہی لگا لوں گی۔ اتفاق سے وہ پھول ہوا کے جھونکے کی وجہ سے دریچی سے نیچے گر گیا۔ بیوی نے بہت تلاش کیا مگر وہ پھول نہ مل سکا۔ ادھر میں اپنی دکان پر گیا ہوا تھا۔ میں جب وہاں سے واپس آ رہا تھا تو مجھے میرا دوست حمری میرے گھر کے پاس ملا۔ اس نے بتایا میں تمہارے گھر گیا تھا لیکن تم نہ ملے تو مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ میں نے جب حمری کی عینا کے کاج میں کاسنی گلاب دیکھا تو میرا خون رگوں میں جم گیا۔ مرے پوچھنے پر حمری نے مجھے بتایا کہ میری محبوبہ نے مجھے تحفہ دیا ہے۔ میں سوچنے لگا کہ میری بیوی نے کاسنی گلاب کے حصول کے لیے رنگین جھوٹ تراشا ہے۔ میں غصے کے عالم میں گھر پہنچا۔ میری بیوی نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ پھول غائب ہو گیا ہے۔ ہم پر ضرور کوئی مصیبت نازل ہوگی۔ بیوی پھول کے گم ہونے کی وجہ بتاتی رہی لیکن

اب اس بے وفا پر میرا یقین اٹھ گیا تھا اور میں نے اسے زور سے دیوار پر دھکا دیا۔ اس کے سر سے خون کا ایک سرخ فوارہ پھوٹ نکلا اور وہ چند لمحوں میں انتقال کر گئی۔ میں نے راتوں رات اسے اسی صنوبر کے سائے تلے دفنا دیا جہاں میری اس سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اسی جنونی کیفیت میں گھر واپس آ رہا تھا کہ حمری سے پھر ملاقات ہو گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں نے تیری محبوبہ کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب تیرا خاتمہ کروں گا۔ اس پر اس نے مجھے بتایا کہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ گلاب کا پھول دیکھ کر اٹھا لیا۔ شاید تمہارے ہی دریچے سے نیچے گرا ہو۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے اپنا آباد گھر اپنی بے وقوفی اور جلد بازی کے ہاتھوں تباہ کر لیا۔ آج اس کہانی کو ستر سال گزر چکے ہیں لیکن میں اس مٹی کی پوجا کر رہا ہوں جس میں ان صنوبر کے سایوں تلے میری محبت دفن ہے۔

اس افسانے کا پلاٹ اکہرا اور مربوط ہے۔ کہیں پر بھی ناہمواری کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ پلاٹ کے توسط سے اپنی گزری یادوں اور مشاہدوں کو خوش رنگ اور گل رنگ بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی ہیں۔ منظر نگاری کا کمال یہ اقتباس دیکھیے:

> ''منظر بتدریج وارفتہ سا ہوا جا رہا تھا۔ ہواؤں میں پانی کے تھپیڑوں کی موسیقی بڑھ رہی تھی۔ پانی کی چھوٹی چھوٹی لہروں کی آواز پر شبہ ہوتا تھا جیسے کہیں دور خواب کے جزیرے میں پانی برس رہا ہو۔ فطرت اپنی بے ساختہ رعنائیوں کا دامن پھیلائے ہمارے سامنے تھی۔ ایک تصویر جس میں ڈھلتے ہوئے سورج کا ہر لمحہ نئے انداز سے رنگین موقلم کی شعبدہ بازیاں دکھا رہا تھا۔ اے اللہ! سچ مچ وہ خواب کی سرزمین تھی۔ رومان کا جزیرہ تھا۔'' (110)

''صنوبر کے سائے'' میں تین کردار اہم ہیں۔ یعنی ملاح، اس کی بیوی اور حمری۔ دوسرے کرداروں میں روحی، جسوتی اور ایک خادم حبشی خانہ زاد ہے۔ ان ہی کرداروں کے ذریعے کہانی آگے بڑھتی ہے اور اپنے نقطۂ عروج کو پہنچتی ہے۔ حجاب کا یہ افسانہ بے حد درد انگیز، حیرت اور استعجاب میں ڈوبا ہوا ہے۔ انھوں نے بوڑھے کے جذبات کی مصوری بھی بہت عمدہ انداز میں کی ہے۔ اس افسانے میں حجاب نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کو کسی صورت کسی مفروضے کو حقیقت سمجھتے ہوئے جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ حجاب نے کہانی کو اتنے موثر اور دل نشین انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو اسی ماحول میں محسوس کرتا ہے۔

اندازِ تحریر اس قدر شگفتہ ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ یہ حجاب کے طرزِ نگارش کی بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ قاری کو کہانی میں گم ہو جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ افسانہ نگار نے اپنے باریک اور گہرے مشاہدے سے کام لیتے ہوئے بوڑھے شخص کی ہر حرکت، ہر لفظ سے اس کے جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ افسانہ نگار کی کامیابی کا دارومدار بڑی حد تک اس کی قوتِ مشاہدہ پر ہوتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس طرح ہر چیز کا مشاہدہ کر کے اس سے بہترین اور مطلوبہ نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب افسانے کا بوڑھا ملاح صنوبر کے سایوں کا ذکر کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک چبھن اور کسک کا احساس ابھرتا ہے۔ صنوبر کے سائے سے شدید محبت کی وجہ کہانی کے آخر میں معلوم ہوتی ہے کہ ان سایوں تلے اس کی محبوبہ دفن ہے جو اس کی شکی ذہنیت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ کہانی میں تجسس کی کیفیت ہر لمحہ قاری پر طلسماتی کیفیت طاری رکھتی ہے۔ اس افسانے میں انسان کی وہمی اور توہماتی ذہنیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کہانی میں ایک بوڑھا شخص اپنی محبوب بیوی کے لیے کاسنی رنگ کا گلاب بہت تلاش اور جستجو کے بعد حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کی بیوی نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ رات تک کاسنی رنگ کا گلاب اپنے بالوں میں نہیں لگائے گی تو ان کا گھر اجڑ جائے گا۔ بوڑھا ملاح اسی خوف سے کہ کہیں دونوں میں دائمی جدائی نہ ہو جائے۔ یہ نایاب پھول کسی نہ کسی طرح حاصل کرتا ہے۔ جب وہ یہی پھول اپنے دوست حمری کے پاس دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں فوراً شک کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ شک مزید پختہ ہو جاتا ہے جب اسے اس کا یہ دوست بتاتا ہے کہ اسے یہ پھول اس کی محبوبہ نے تحفے میں دیا ہے۔ وہ غصے میں آ کر بیوی کو قتل کر دیتا ہے۔ اس طرح خواب والی بات سچ ہو جاتی ہے۔ اس افسانے میں مرکزی خیال یہ پیش کیا گیا ہے کہ انسان غصے اور اشتعال میں عقل و دانش سے کام لینے کی بجائے جذبات سے کام لیتا ہے اور اتنی بڑی غلطی کر گزرتا ہے جو اس کی زندگی کا مستقل روگ بن جاتی ہے۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں محبت جیسے نازک اور حساس جذبے اور اس کے مخالف جذبے شک، وہم اور توہم پرستی کو موضوع بنا کر فن افسانہ نگاری میں اپنی بے مثال دسترس کو ثابت کر دیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ''میری ناتمام محبت'' کے بعد حجاب کا یہ افسانہ اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ حجاب ایک رومانوی اور طلسماتی افسانہ نگار ہیں۔ رومان نویسی ان کے

افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ رومان سے لبریز اس افسانے کا یہ اقتباس دیکھیے:

''مجھے صنوبر کے سایوں تلے رہنا پسند ہے۔ مجھ پر ان سایوں سے چند گھنٹے کی مفارقت بھی شاق گزرتی ہے۔ جبھی تو میں شہر میں مزدوری کرنے نہیں جاتا۔ میں ان سایوں تلے کشتی لیے ادھر ادھر پھرتا ہوں۔ کیا تم ہمیں اس راز سے آگاہ کرسکو گے کہ صنوبر کے سایوں سے تمھیں کیوں عشق ہے؟ میں نے التجا کے لہجے میں پوچھا۔۔۔ یہ کوئی راز نہیں۔ اس نے دم توڑتے ہوئے سورج کے مقابل ایک سیاہ تصویر بن کر کہا۔ سبھی جانتے ہیں کہ مجھے صنوبر کے سایوں سے کیوں محبت ہے اور کیوں میں اپنی زندگی کے آخری سانس ان کے نیچے ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' (111)

اس مجموعے میں شامل دوسرے افسانے کا عنوان ''اندھی محبت'' ہے۔ افسانے کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس کا موضوع محبت ہے۔ اس افسانے میں مناظر کی تبدیلی کو مختلف عنوانات دے کر نمایاں کیا گیا ہے۔

اس افسانوی مجموعے کا تیسرا افسانہ ''مرد اور عورت'' ہے۔ اس افسانے میں دو جنسوں کے متعلق معاشرے میں پائے جانے والے تضاد کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ افسانہ نگار نے ہمارے اجتماعی احساس کو جھنجھوڑتے ہوئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک حقیقت کو خیال کا ملبوس پہنایا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ عورت جس سے محبت کرتی ہے وہ اس کے سوا کسی دوسرے مرد کا خیال تک بھی ذہن میں لانا حرام سمجھتی ہے۔

''مرحوم بیوی'' اس مجموعے کا چوتھا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ تہذیب نسواں بابت 6 فروری 1937 میں چھپا۔ اسے اس طرح تحریر کیا گیا جیسے کوئی دلچسپ کہانی سنا رہا ہو اور سنانے کا انداز ایسا ہو کہ سننے والے گرد و پیش سے مکمل طور پر بے نیاز ہو کر کہانی سننے میں منہمک ہوں۔

اس افسانوی مجموعے کے پانچویں افسانے ''نجومی کی وصیت'' کو ہم طویل مختصر افسانہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس افسانے میں مختلف مناظر کو عنوان دے کر کہانی بیان کی گئی ہے۔

اس افسانوی مجموعے کا چھٹا افسانہ ''سبز آنکھ'' ہے۔ یہ افسانہ تہذیب نسواں بابت 2 جنوری 1937 میں چھپا۔ اس افسانے میں رشتہ داروں کی خود غرضی اور ہوس پرستی کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ کس طرح کسی کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کے حصے بخرے کرنے آ پہنچتے ہیں۔ میت

ابھی گھر میں پڑی ہوتی ہے اور رشتہ دار وصیت کھولنے کے لیے آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں۔

اس مجموعے کا ساتواں افسانہ ''فورسڈ لینڈنگ'' ہے۔ افسانے کا انداز اور اسلوب سرگزشت اور آپ بیتی نما ہے۔ اس کے بارے میں کچھ واضح اشارے حجاب کے ناول پاگل خانہ میں بھی ملتے ہیں۔ افسانہ نگار نے بڑے ہی دلچسپ انداز میں واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح روحی اور ڈاکٹر گار ہوائی جہاز میں سوار ہو کر دوسرے ملک پہنچ گئے جہاں مردوں کی کمی تھی اور تعدادِ ازدواج کا قانون رائج تھا۔ وہاں ڈاکٹر گار کی تین عورتوں سے بیک وقت شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس افسانے میں مزاح اور رومان کا امتزاج موجود ہے جو اسے قارئین کے لیے قابل مطالعہ بناتا ہے۔

اسی مجموعے کے آخری افسانے کا عنوان ''طلوع وغروب'' ہے۔ یہ بھی ایک طویل مختصر افسانہ ہے۔ اس کے کرداروں میں زمرہ، زیبا، شہزادہ مشہدی وغیرہ نمایاں ہیں۔ یہ ایک رومانوی نوعیت کا افسانہ ہے جسے حجاب نے اپنے مخصوص اسلوب میں تحریر کیا ہے۔

صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان میں شامل آٹھ افسانوں میں سوائے ایک افسانے کے باقی تمام افسانے Long Range کی وجہ سے طویل ہو گئے ہیں۔ اس لیے ہم ان افسانوں کو طویل مختصر افسانے کہہ سکتے ہیں۔

اس مجموعے میں شامل تمام افسانوں میں مکالمے استعمال کیے گئے ہیں۔ مکالمے رواں اور برجستہ ہیں۔۔ تمام افسانوں کے کردار حقیقی دنیا سے متعلق نظر آتے ہیں۔ ان کرداروں کو ان کی سوچ، پس منظر اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک حجاب کا یہ مجموعہ Fact اور Fiction کا بہترین امتزاج ہے۔

وہ بہاریں یہ خزائیں

یہ مجموعہ پہلی مرتبہ 1964 میں دارالاشاعت پنجاب لاہور سے شائع ہوا۔ بعد ازاں 1992 میں سنگ میل پبلی کیشنز کے زیر اہتمام طباعت آشنا ہوا۔ اس مجموعے میں کل اٹھارہ افسانے ہیں۔ حجاب نے اس کا انتساب اپنے شوہر امتیاز علی تاج کے نام کیا۔ انتساب کے الفاظ یہ ہیں:

''انارکلی کے مصنف کے نام

جن کے الفاظ ہیں راوی کے دل شاد ملاح!

تو کیوں نہ گائے۔لہریں نیند میں
بہہ رہی ہوں اور کشتی اپنے آپ چلی جا رہی ہو پھر بھی نہ گائے۔تو کیا جانے جب وقت کی ندی بہتے بہتے سست پڑ جاتی ہے اور امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اور یہی زندگی کی خزائیں اور بہاریں ہیں لیکن بہاروں اور خزاؤں کے امتزاج ہی میں ایک فن کار کی زندگی کا حسن ہے۔'' (112)

''وہ بہاریں یہ خزائیں'' اس افسانوی مجموعہ کا پہلا افسانہ ہے۔اس افسانے پر تصوراتی اور تخیلاتی کیفیت کا غلبہ ہے۔افسانہ نگار اپنے ماضی کی راکھ کریدنے کی کوشش کرتی ہیں۔ان کا تخیل حال میں چہل قدمی کرتے ہوئے ماضی کی طرف سفر کرنے لگتا ہے۔ایسے مواقع پر وہ کھوئی ہوئی چیزوں کی جستجو کرتی دکھائی دیتی ہیں۔اس کہانی میں کئی اور کہانیاں جذب کر دی گئی ہیں جن سے بعض اوقات یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ کہانی کا پلاٹ غیر منظم ہے، لیکن ایسا نہیں بلکہ افسانہ نگار نے بڑی محنت سے افسانے کا پیچیدہ پلاٹ تراشا ہے اور پلاٹ کی یہی پیچیدگی ہی دراصل ان کی فن کارانہ مہارت کا ثبوت ہے۔اس افسانے میں ماضی اور حال کے درمیان جنم لینے والے فاصلے کا احاطہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وقت کس طرح گزرتا چلا جاتا ہے۔افسانہ نگار نے وقت کی جبریت کو موضوع بناتے ہوئے اس حقیقت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ماضی خواہ کتنا ہی تاریک کیوں نہ ہو ہمیں حال کے مقابلے میں روشن تر دکھائی دیتا ہے۔کل کی طرح آج بھی بہار ہے لیکن اس بہار پر خزاں ہونے کا گمان ہوتا ہے اور گزرے کل کی خزاں بھی بہار لگتی ہے۔وقت ایک سیال کیفیت کا نام ہے۔صبح وشام، ماہ وسال بہاروں اور خزاؤں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان میں بھی غیر محسوس انداز میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی چلی جاتی ہیں۔انسان بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپے کی منازل طے کرتا ہے اور حال کے لمحات میں اس کے لیے اس کا ماضی ایک حسین اور فرحت بخش یاد بن کر رہ جاتا ہے۔خواب جیسے لمحات جب حال کا حصہ ہوتے ہیں تو کس قدر بے کیف، بے رنگ اور ناقابل توجہ ہوتے ہیں لیکن جب وہ ماضی کا حصہ بن جاتے ہیں تو ہمارے لیے بہت اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔افسانہ نگار نے جس انداز میں قارئین سے کرداروں کو متعارف کرایا ہے۔اس سے کردار نگاری پر ان کی دسترس کا پتہ چلتا ہے۔افسانے میں ایک نسوانی کردار شششی واحد متکلم ہے جو ایک خواب ناک کیفیت میں گزرے واقعات کو بیان

کرتی ہے۔ یہ کردار عورتوں کی نفسیات کا نمائندہ کردار ہے۔ یہ کردار ان گلیوں، ان مناظر کو جہاں اس کا بچپن بیتا اور جن لوگوں کے ساتھ اس کی یادیں وابستہ ہیں، انہیں یاد کرتا ہے۔ جوانی کی بہاریں اور رومان پرور گیت اب کتاب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں لیکن یہ سب ششی کو شدت سے یاد آرہے ہیں۔ اسے گزرے واقعات کی قدر و قیمت کا احساس ہو رہا ہے۔ کہانی کا دوسرا کردار ریزی ہے۔ اس کا تصوراتی پیکر افسانہ نگار ہمارے سامنے لاتی ہے۔ اس کردار میں اس نے بڑی فطری انداز میں ایسے رنگ بھرے ہیں کہ یہ قارئین کے لیے جاذب توجہ بن گیا ہے۔ افسانے میں کردار نگاری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگار کا دلکش اسلوب بیان بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ مختلف کیفیات اور جذبات کے اظہار کے لیے موزوں، مناسب اور برمحل الفاظ کا انتخاب کرتی ہیں۔ وہ موقع محل کی مناسبت سے واقعہ بیان کرنے سے قبل منظر نگاری اس انداز سے کرتی ہیں کہ واقعات کو بیان کرنے کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"اسے یوں معلوم ہونے لگا کہ یہ زندگی وقت کے طوفان میں کھلی کتاب کی طرح پڑی ہے۔ جس کے ورق نہایت تیزی سے الٹتے چلے جارہے ہیں اور بہت جلد اختتام کو جا پہنچیں گے۔ اختتام۔۔۔اس کائنات کا سب سے عظیم المیہ، خواہ وہ کسی چیز کا ہو کس قدر ناقابل برداشت ہوتا ہے! شمع گل ہو جانے کے بعد کمرے میں کیسی یاس انگیز سیاہی کانپنے لگتی ہے اور نغمے کے بند ہوتے ہی فضا پر کتنا ہولناک سناٹا طاری ہو جاتا ہے۔"(113)

اس افسانوی مجموعے کے تیسرے افسانے کا عنوان "وہ گر پڑا ہے"۔ اس افسانے میں انسان کے باطن میں موجود محبت اور نفرت کے جذبات کو حجاب صاحبہ نے انتہائی عمدہ انداز میں اجاگر کیا ہے۔

چوتھے افسانے کا عنوان "خزاں نے لوٹ لیا"۔ یہ افسانہ ماہ نو (1955 تک کا انتخاب) میں چھپا۔ یہ افسانہ محبت کے لافانی جذبات کی کہانی ہے۔ اس افسانے کا ہیرو مردانہ وجاہت کا نمونہ اور انفعالی کیفیت کے باوجود تحرک آمیز ہے۔ یہ افسانہ یوسف زلیخا کے قصے کے بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ اس افسانے کے بارے میں نسیم بانو نے بجا طور پر لکھا ہے:

"یہ محبت کے لازوال جذبوں کی کہانی ہے۔ محبت جو پھول ہے محبت جو خوشبو ہے، محبت جو آرزو ہے، محبت جو خلش ہے، محبت جو کسک ہے، محبت جو تڑپ ہے، جو انتظار ہے، محبت جو یاس کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امید کی کرن ہے، محبت جو زندگی کی خزاں میں نغمۂ جانفزا

ہے، محبت جو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھی ہے، محبت جو قربانی ہے، محبت جو فنا ہو کر حیات ابدی کا پیغام ہے، محبت جو شمع پر پتنگے کے دیوانہ وار فدا ہو جانے کا نام ہے۔" (114)

اس افسانے میں حجاب کا فن اپنی تمام تر تخلیقی توانائیوں کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ حجاب کو لفاظی اور منظر نگاری پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ وہ محبت کی گہری کیفیات کی نباض اور رمز شناس ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش نہایت دلکش اور دل آویز ہے۔ اس افسانے کے حوالے سے اُردو ادب میں مکالماتی اسلوب نگارش کا جائزہ لیں تو حجاب کا فن نقطہ کمال کو چھوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ لفظوں کی ساحرہ ہیں۔ ایک اقتباس دیکھیے:

""حسن آمادہء پیکار ہو تو عشق ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے میں متاثر ہو گئی پھر اپنے آپ کو سنبھال کر کہا: کیا بکتی ہو زُلفی؟ اس قسم کا جذباتی اندھا پن مردوں کی ذہنیت ہوتا ہے۔ جذبات کے سیلاب میں ایک حقیر تنکے کی طرح بہہ جانا مردوں کو زیب دیتا ہے مگر عورتیں ان معاملات میں دل سے نہیں ہمیشہ دماغ سے سوچنے کی عادی ہوتی ہیں۔ میں برافروختہ ہو کر بولی۔" (115)

پانچویں افسانے کا نام ""ڈھلتی شامیں"" ہے۔ اس افسانے کا انداز اور اسلوب خطابیہ ہے۔ واقعات کا تسلسل وقفے وقفے سے جُڑتا اور ٹوٹتا محسوس ہوتا ہے۔ اس افسانے میں افسانہ نگار کی کتابوں اور جانوروں سے محبت کا اظہار اور اعتراف ملتا ہے۔ اسی افسانے میں افسانہ نگار نے اپنا نظریہء ادب بھی پیش کیا ہے۔ افسانے میں مزاح کی چاشنی بھی موجود ہے اور علم نفسیات سے حجاب کی گہری دلچسپی کا اظہار بھی اس افسانے میں ہوا ہے۔ افسانے میں افسانہ نگار نے اپنا تصور حیات بھی پیش کیا ہے۔ کہیں کہیں مذہبی حوالے بھی ملتے ہیں۔ نامور شخصیات کے تذکرے کے علاوہ افسانہ نگار نے اپنے تصورِ غم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اس مجموعے کے چھٹے افسانے کا نام صبح کا ناشتہ ہے۔ اس افسانے میں داستان کی خصوصیت پائی جاتی ہیں۔ اس کا آغاز بھی داستانوی انداز میں ہوتا ہے۔ رومانویت اور تاثریت اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس افسانے کا انداز ماضی پرستانہ ہے۔ اس افسانے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افسانہ نگار نے انسانی زندگی کا انتہائی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف انسانی جذبوں کا جائزہ لیا ہے بلکہ ان جذبوں سے پیدا ہونے والے تاثرات کو بھی خوب

کھنگالا ہے۔ حجاب نے خصوصیت سے نسائی جذبات اور احساسات کو جس منفرد پیرایے میں اس افسانے میں پیش کیا ہے وہ اُردو کے افسانوی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ وہ صنفِ نازک کے لطیف جذبات کو بیان کرتے ہوئے برمحل الفاظ، موزوں اور نفیس تراکیب سے قاری کو مکمل طور پر محصور اور مسحور کر لیتی ہیں۔ زیرِ تبصرہ افسانہ ان ہی محاسن سے مزین ہے۔ تاثر نگاری اور رومانویت کا یہ انداز ملاحظہ فرمایئے:

''خزاں کی رات زیادہ گہری ہوتی چلی گئی اور ہوائیں وحشی راگ الاپنے لگیں۔ سمندر کی غصیلی موجیں اس زور سے ساحل سے ٹکرا رہی تھیں کہ بالکل ایک طوفانی رات معلوم ہوتی تھی۔ آتش دان میں صندل کی خوشبودار لکڑیاں چیخ رہی تھیں اور دیواروں پر سرخ شعلوں کا عکس وحشی بھوتوں کی طرح ناچ رہا تھا۔ میں خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی ''ابن بطوطہ'' ہاتھ میں لے کر بستر میں جا گھسی۔ سرہانے موی شمع جھلملا رہی تھی۔ کیونکہ میں ہمیشہ سفرنامے اور سیاحت نامے موی شمع کی خواب ناک روشنی میں پڑھنے کی عادی ہوں برقی روشنی میں نہیں۔'' (116)

اس افسانے میں حجاب نے ایک نوجوان عورت کے سینے میں اٹھنے والے محبت کے طوفان کو نہایت خوبصورتی سے لفظوں کی زبان دی ہے۔ اس کے جوان جذبات، جوان آرزوؤں اور حسین خواہشوں کو ایک ایسے اسلوب میں پیش کیا ہے جو صرف ان ہی کے معجز نما قلم کا اعجاز ہے۔ ماحول آفرینی میں وہ ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں جو جوان دلوں میں آگ لگا دے۔ اس افسانے میں شوشوئی کی نوکِ زبان سے جو مکالمے ادا کروائے گئے ہیں وہ رومان نویسی کی عمدہ کاوش ہیں۔ شوشوئی کا یہ مکالمہ دیکھیے:

''اس کے بعد ۔۔۔۔ دسترخوان ۔۔۔ جس پر طلائی ظروف میں صحرائی پھولوں سے کشیدہ شہد اور اونٹ کے دودھ کی پنیر اور آفتابی کرنوں کی چومی ہوئی سرخ سرخ کھجوریں، نقرئی صراحیوں میں آبِ رنگین و آبِ شیریں، پس منظر میں عربی کلاسیکی موسیقی کی ہوش رہا تانیں مصر کی کیف آور شہنائیاں جسے سن کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے نخلستانوں میں کوئی عاشق مزاج غصیلا ناگ بل کھا کھا کر جھوم رہا ہے۔'' (117)

اس مجموعے کے ساتویں افسانے کا عنوان ''تاریکیاں'' ہے۔ اس افسانے میں انسانی رشتوں

پر دولت کو فوقیت دیئے جانے کے رویے کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اس مجموعے کا آٹھواں افسانہ "یہ حادثے" بھی ایک نفسیاتی نوعیت کا افسانہ ہے۔ اس میں حجاب نے انسان کی نفسیات کو ایک منفرد حوالے سے اپنی کہانی کا موضوع بنایا ہے۔

اس افسانوی مجموعے کے نویں افسانے کا عنوان "یہ فالتو لوگ" ہے۔ اس افسانے میں زندگی کے کمزور اور اداس دنوں کا نوحہ ہے۔ اس میں افسانہ نگار نے بڑھاپے کے بارے میں اپنے تاثرات افسانوی اسلوب میں بیان کیے ہیں۔ بڑھاپا ایک سفاک حقیقت ہے جس کا سامنا ناگزیر ہے لیکن کوئی بھی شخص بڑھاپے کو خوش دلی سے قبول نہیں کرتا۔ حجاب بھی بڑھاپے کو ناپسند کرتی تھیں۔ زیرِ نظر افسانے میں حجاب نے بوڑھے شخص کے شب و روز اس کے احساسات اور اس کی وارداتِ قلبی کو موضوعِ تحریر بنایا ہے۔

حجاب نے اس افسانے میں انسان کے احساس وقت کے نفسیاتی پہلو کو بھی نمایاں کیا ہے۔ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن کب گزر جاتا ہے، انسان کو اس کا اندازہ بہت کم ہوتا ہے۔ جوانی امنگوں اور آرزوؤں کا زمانہ۔۔۔ وفورِ جذبات کا زمانہ۔۔۔ رنگین خوابوں سے معمور نیندوں، ہوش رُبا اور دلکش بہاروں کی صبح سے لطف اندوز ہونے کا دور۔

بڑھاپا۔۔۔ عضوِ معطل، فالتو چیز۔۔۔ بے کسی اور بے بسی کا احساس، جسم کے دکھ اور روح کے دکھ۔۔۔ بڑھاپا کارخانۂ حیات کا سب سے مہمل اور کمزور دورانیہ۔ اس زمانے میں انسان ردی کا ناکارہ پُرزہ بن جاتا ہے۔

وقت انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے۔ یہ کہانی بھی ایک ایسے انسان کی ہے جو اپنی جوانی کی دولت کھو چکا ہے۔ جس کے پاس سوائے آہوں کے اور کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ اس کا تمام تر وقت اپنے آپ سے لڑتے ہوئے اور اپنی محرومیوں پر کڑھتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ بڑھاپے کے دور میں بقول حجاب انسان کی سوچوں کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے:

"ہائے آدمی کی جوانی کے کنول پر اتنی جلدی بڑھاپے کی خزاں کیوں چھا جاتی ہے۔" (118)

ایک بوڑھا شخص جب کسی صحت مند نوجوان کو دیکھتا ہے تو اسے اپنی کمزوری کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اس افسانے میں افسانہ نگار نے انسانی بے ثباتی اور کم مائیگی کا بڑے خوبصورت انداز

میں احاطہ کیا ہے۔ بڑھاپے کے عالم گیر مسئلے کو بڑی فنی مہارت کے ساتھ حجاب نے اس افسانے کے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ ایک بوڑھا شخص نوجوان جوڑے کو چوری چھپے عشق و مستی میں غرق پا کر بہت غصہ کرتا ہے۔ وہ انہیں بے حیا، بے شرم اور بدمعاش جیسے القابات سے نوازتا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جوانی تو اس نے بھی ایسے ہی گزاری تھی۔ جب اس کا دل جوان تھا، امنگیں جوان تھیں تو اس نے ایک نرس سے اظہار عشق کیا تھا اور یہ آرزو کی تھی کہ اس کے سرخ یاقوتی ہونٹوں کی ساری حلاوت پی جائے اور اسے اپنے بیمار باپ کے کمرے سے اٹھا کر عشق کے دور دراز جزیرے میں لے جائے، جہاں وہ دنیاوی جھنجھٹوں سے دور صرف ایک دوسرے کے ہو جائیں۔ مگر آہ! انسان کا حافظہ کتنا کمزور ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے جب کہ وہ خود بھی ایک زمانے میں ان حالات و حوادث سے گزر چکا ہے۔ آج سے پچاس سال بعد اس کا نوجوان پوتا بھی اپنی اولاد کا شاکی اور ستم رسیدہ ہوگا۔ وہ بھی یہی کچھ کرے گا۔ افسانہ نگار نے زندگی کے سفر کی آخری منزل کو نہایت خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے۔ گزرے وقت کے دل فریب لمحات اور ان میں گزرے ہوئے حسین واقعات ایک بوڑھے شخص کا کل سرمایہ ہوتے ہیں۔ وہ یادوں کے سہارے بڑھاپے کی تنہائیوں کو دور کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

اس افسانے میں افسانہ نگار نے جوانی اور بڑھاپے کا جس انداز میں موازنہ کیا ہے اور بڑھاپے کی جو دل آزار تصویر کشی کی ہے وہ انسان کے لیے سامان عبرت ہے۔ اس افسانے کا پیغام یہ ہے کہ ہر جوان آدمی نے بالآخر اس دور سے گزرنا ہے کہ جب اس کی حیثیت ایک فالتو چیز سے زیادہ نہیں ہوگی اور لوگ اس کا مذاق اُڑائیں گے۔ ایک حیاتیاتی مرحلے کو جس نفسیاتی خوش اسلوبی سے افسانہ نگار نے اس افسانے میں سمیٹ لیا ہے وہ صرف ان ہی کا خاصہ ہے۔ اس افسانے میں کردار نگاری اپنے عروج پر ہے۔ بوڑھے آدمی کا کردار جو ہمارے معاشرے کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔ اس کردار کو حجاب نے نہایت عمدگی سے اس افسانے میں پیش کیا ہے۔ اگر ہم اپنے گرد و پیش پر نگاہ دوڑائیں تو ایسے بہت سے کردار ہمیں اپنے اردگرد چلتے پھرتے نظر آئیں گے جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس افسانے میں حجاب نے زندگی کی بے ثباتی کا نقشہ بہت خوبی کے ساتھ کھینچا ہے۔ یہ پیراگراف دیکھیے:

"بے ثباتی کا یہ عالم ہے تو ثبات میں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لعنت ہے، سب

پر لعنت۔ اس قدرت کے کارخانے سے ڈھل کر بھلا کوئی چیز بھی ایسی نکلتی ہے جو ردی، ناپائیدار اور کمزور نہ ہو۔ درخت سوکھ جاتے ہیں، گلستان اُجڑ جاتے ہیں، بہاریں خزاں کا روپ اختیار کر لیتی ہیں اور کارخانہء قدرت کی سب سے مہمل اور کمزور صنف تو انسان ہے۔ اس کی موت اور اس کا بڑھاپا اس کارخانے کے اناڑی پن کو چیخ چیخ کر ظاہر کرتا ہے۔" (119)

دسویں افسانے کا عنوان "زہرہ سے ملاقات" ہے۔ اس افسانے کی کہانی اس نکتے کے اردگرد گھومتی ہے کہ عورت بے وفا ہے یا مرد۔ عمومی طور پر عورت مرد کو بے وفا کہتی ہے اور مرد عورت کو۔ تاہم اس افسانے کے مطابق عورت بے وفا ہے۔ حجاب نے اس افسانے میں کمال فنی مہارت سے عورت کی بے وفائی کے رویے کو اجاگر کیا ہے۔

اس مجموعے میں شامل گیارہوں افسانے کا عنوان "پتھر" ہے۔ یہ نفسیاتی نوعیت کا افسانہ ہے۔ اس افسانے میں وہ ہمیں ایک افسانہ نگار سے زیادہ فلسفی دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے حیاتِ انسانی کا نہایت گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے۔ وہ انسانی جذبوں کی ترجمان ہونے کے ناتے انسان کے اندر چھپے جذبات اور احساسات تک رسائی پا لیتی ہیں اور انہیں نوکِ قلم پر لے آتی ہیں۔

"کنواں" اس مجموعے کا بارہواں افسانہ ہے۔ یہ حجاب کا پہلا افسانہ ہے جس میں انہوں نے ایک سنگین سماجی اور معاشی مسئلے غربت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس افسانے میں بھی ایک نفسیاتی کیفیت اشتیاق کے ساتھ ساتھ خوف کو بھی کہانی میں سمویا گیا ہے۔

اس مجموعے کا آخری افسانہ "رہگور" ہے۔ یہ افسانہ ماضی کی بازیافت ہے اور فلیش بیک (Flash Back) کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ وقت کا تیز دھارا انسان کو بہا کر نجانے کہاں سے کہاں لے جاتا ہے لیکن احساس کا کوئی لمحہ انسان کو کبھی نہ کبھی ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کرتا ہے جہاں ماضی کے خوفناک سناٹے کسی عفریت کی طرح منہ کھولے اسے نگل جانے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

"رہگور" حجاب کے شہہ کار افسانوں میں سے ایک افسانہ ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ محبت کا انجام زخم ہی زخم ہیں۔ آبگینہء دل کی کرچیاں رہ گزر پر بکھری دکھائی دیتی ہیں۔ اس افسانے میں حجاب نے ایک سسکتی دم توڑتی محبت کا نوحہ لکھا ہے۔ انداز بیان میں ندرت ہے۔ حجاب کی اکثر کہانیوں کی طرح اس میں بھی مرکزی کردار ابھرے دکھائی دیتے ہیں۔

''وہ بہاریں یہ خزائیں'' میں شامل افسانوں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ان میں بیشتر افسانے Nostalgic ہیں۔ ماضی کے لیے حجاب نے بہاریں کی علامت اور حال کے لیے خزائیں کی علامت استعمال کی ہے۔انسان کا ماضی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جب یہ زمانہ گزر جاتا ہے تب اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس مجموعے میں شامل بیشتر افسانے حجاب کی رومانویت کے عکاس ہیں۔ بعض افسانوں میں مزاح کی چاشنی بھی موجود ہے۔ کچھ افسانوں میں سماجی واقعیت نگاری کی کیفیت بھی موجود ہے۔ان افسانوں کا پیغام یہ ہے کہ انسانی زندگی یادوں کا مرقع ہے۔ ماضی کی بھولی بسری، خوش گوار اور ناخوش گوار یادوں کو دلکش رومانوی اور شاعرانہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ مناظر فطرت کی عکاسی کرتے ہوئے حجاب کا قلم مصور کا موقلم بن جاتا ہے۔ ماحول آفرینی کے لحاظ سے بھی یہ افسانے یادرہ جانے والے ادب پارے ہیں۔ کرداروں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ حجاب کے وہی مشہور و معروف کردار یعنی روحی، ڈاکٹر گار، صوفی، زُلفی اور ریحانی ان افسانوں میں بہ تکرار آئے ہیں۔ مکالمہ نگاری بہت عمدہ ہے۔حجاب کا یہ افسانوی مجموعہ انکی رومان نگاری کی بہت عمدہ مثال ہے۔

احتیاط عشق

حجاب کا افسانوی مجموعہ احتیاطِ عشق کی پہلی اشاعت کے بارے میں تمام تر تحقیق کے باوجود معلومات فراہم نہیں ہو سکیں۔ تاہم 1994 میں سنگِ میل پبلی کیشنز کے زیرِ اہتمام بارِ دگر شائع ہوا۔ اس مجموعے میں کل پچیس افسانے ہیں۔ ان میں سے کچھ افسانے مثلاً ''ماہرینِ فن''، ''سالگرہ''، ''اس کے معنی کیا''، ''اس کی موت کی وجہ'' اور ''تبادلہ'' وغیرہ ان کے افسانوی مجموعہ تحفے اور دوسرے شگفتہ افسانے میں بھی چھپ چکے ہیں۔

حجاب کے مجموعہ احتیاطِ عشق میں شامل پہلے افسانہ کا عنوان ہے ''یہاں سوسن محو خواب ہے''۔ یہ افسانہ ایک ادبی جریدہ مسلم (خاتون نمبر) میں بھی چھپ چکا ہے۔اس افسانے کا موضوع موت کی حقیقت، جدائی اور حسین ماضی ہے۔ ماضی پرستی، محبت، موت اور معاشرہ حجاب کے افسانوں کے بڑے بڑے موضوعات ہیں۔ محبت اور موت کی کیفیات کو کبھی وہ واقعاتی اسلوب میں اور کبھی علامتی استعاراتی انداز میں پیش کرتی ہیں۔اس افسانے میں موت اور ماضی پرستی دونوں کیفیات

ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ یہ حجاب کی رومانویت کا ایک اہم پہلو ہے۔ نیلم کا یہ مکالمہ رومانویت اور ماضی پسندی کا بہترین ترجمان ہے۔ وہ روحی سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

”ایک دفعہ میں ضرور نیچے اُتروں گی۔ میں سیدھی پائیں باغ میں جاؤں گی شاہ بلوط کے اس سایہ تلے۔۔ جہاں پچھلی بہار میں ہم چاروں بیٹھا کرتے تھے۔ مہندی کے درختوں کے وہ ٹھنڈے سائے۔۔ باورچی خانے کے پیچھے امرود کے درخت پر چیل کا وہ گھونسلا۔۔ ہائے بیماری نے مجھے معذور کر دیا ہے۔ کیا تم مجھے نیچے نہیں لے جاؤ گی۔“(120)

”وہ طریقہ تو بتا دوں تمہیں چاہیں کیوں کر“۔ اس افسانے میں دو نوجوان کرداروں صوفی اور ریحانی کا مکالمہ ہے۔ ریحانی اپنی محبوبہ صوفی کو اپنی محبت کا مختلف طریقوں سے یقین دلاتا ہے۔ اس کے ہر اقدام اور ہر بات میں صوفی کی خوشنودی کا حصول مطلوب ہے مگر صوفی ہے کہ اس کا مذاق اڑائے چلی جارہی ہے اور اس کی محبت کا یقین نہیں کر رہی۔ اس افسانے کا عنوان جس طرح دلچسپ، منفرد اور انوکھا ہے اسی طرح اس کی کہانی میں محبت کے موضوع کو دلچسپ اور انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ دو کرداروں کے مابین ایک بحث ہے۔ اس میں دو متضاد خیالات رکھنے والے کردار محبت کو اپنے اپنے اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔

اس مجموعے کے تیسرے افسانے کا عنوان ہے، ”میں پُرسے کو گئی تھی“۔ اس افسانے میں مصنفہ نے تعزیت کے لیے رکے ہوئے لوگوں کی گفتگو میں مزاح کی چاشنی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی رہی ہیں۔

اسی مجموعے کے چوتھے افسانے کا عنوان ”مرچوں کا اچار“ ہے۔ اس افسانے میں بھی موت کو موضوع بنایا گیا ہے اور مختلف کرداروں کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ لوگ مرنے والے کے غم کو بھول کر مذہبی رسومات کے پردے میں اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مرنے والے کے سوگ میں کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں آتے۔ اس افسانے کے آخر میں اگر کرداروں کی آنکھوں میں آنسو آئے تو اس کا سبب مرچوں کا اچار تھا نہ کہ مرحوم کا غم۔ افسانے کی واحد متکلم روحی اپنے دادا ”تونگر“ کے چہلم میں شریک ہوتی ہے اور بعد ازاں چہلم کے انتظامات، رشتہ داروں کے تاثرات اور کیفیات کی خوبصورت نقشہ کشی کرتی ہے۔ افسانے میں افسانہ نگار نے معاشرے کے غلط رسوم و رواج کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ کسی عزیز کے فوت ہو جانے پر اس کی روح کو تسکین

پہنچانے کے لیے دولت کا کس طرح بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔عزیز واقارب کس طرح مرحوم کی روح کوثواب پہنچانے کے لیے رنگارنگ تراکیب استعمال کرتے ہیں۔اس افسانے میں افسانہ نگار نے گردوپیش کے حالات اور لوگوں کی نفسیات کا بہت عمدہ مطالعہ پیش کیا ہے۔اس کہانی میں کرداروں کی تصویر کشی بڑی وضاحت سے کی گئی ہے۔ایک ایک کردار کی فطرت، مزاج اور سرشت سامنے آتی چلی جاتی ہے۔مثلاً بڑے ماموں شعیب کے بارے میں لکھتی ہیں:

''بڑے ماموں شعیب بڑے ہی دریا دل واقع ہوئے تھے۔ویسے وہ کفایت شعار بھی تھے مگر صرف اپنی جیب کی حد تک۔دوسری کی دولت کولٹانے میں انہیں جولطف آتا تھا اور کسی بات میں نہ آتا تھا۔لہٰذا انہوں نے دادا تونگر کی روح کوثواب پہنچانے کی کوشش میں انواع واقسام کی تراکیب استعمال کی تھیں۔سارے ملازمین اور شاگرد پیشہ کے ایک ایک فرد کوایسے اعلیٰ لباس سلوا کردیئے تھے کہ انہیں پہن کر اب وہ بالکل پہچانے ہی نہیں جاتے تھے کہ بندو کون ہے اور خیرو کون۔''(121)

پھوپھی زیتون کو جب وہ نہایت کفایت شعار لکھتی ہیں تو دوسرے لفظوں میں وہ انہیں کنجوس ترین ظاہر کرتی ہیں۔پھوپھی زیتون نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد ان کے پسندیدہ اچار کوبھی کہیں چھپادیا تھا تا کہ کوئی دوسرا نہ لے جائے۔دادی زبیدہ اس چہلم میں بڑے جاہ وجلال سے شرکت کرنے کے لیے آئی تھیں۔انہوں نے اپنے امیرانہ ٹھاٹھ کا مظاہرہ ہر انداز اور ہر حرکت سے کیا۔

اس مجموعے کا پانچواں افسانہ''ماہرینِ فن'' ہے۔یہ ایک دلچسپ اور قابلِ خواندگی افسانہ ہے جو کہ چھ کرداروں کے گرد گھومتا ہے۔ان کرداروں کے نام روحی، فیروز، مریم، جامی، ڈاکٹر مانجو اور ان کی اہلیہ ہیں۔اس افسانے کا ہر کردار دوسرے سے بڑھ کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے زیادہ ہرفن مولا کوئی نہیں لیکن درحقیقت سب کے سب کاغذی شیر تھے۔

اس مجموعے میں شامل اگلے افسانے کا عنوان''صورتِ شمع انجمن تنہا'' ہے۔اس افسانے کا موضوع انسان کی خودغرضی کو بنایا گیا ہے۔افسانہ نگار کا کہنا ہے کہ ہم صرف اسی سے محبت کرتے ہیں جس سے ہماری کچھ اغراض وابستہ ہوتی ہیں۔جوں ہی کوئی شخص ہماری اغراض پوری کرنے سے معذور ہو جاتا ہے، ہم اس سے ہر قسم کا رشتہ ناتا توڑ لیتے ہیں۔اس افسانے کا مرکزی کردار ایرج ہے۔ساری کہانی اسی کے گرد گھومتی ہے۔روحی ایرج کی تمام باتوں کا بڑا مفصل اور مدلل

جواب دیتی ہے کہ بنیادی طور پر انسان خودغرض ہوتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے سے محض اپنی غرض کی وجہ سے تعلق قائم رکھتے ہیں۔ ایرج کی سوچیں اور ایرج کے احساسات دراصل تمام اہل فکر کا المیہ ہیں جو اپنے آپ کو اس معاشرے میں تنہا محسوس کرتے ہیں۔

حجاب کا شاید ہی کوئی ایسا افسانہ ہو جس میں مناظرِ فطرت کی عکاسی نہ ملتی ہو۔ اس افسانے میں مناظرِ فطرت کی عکاسی کی یہ مثال ملاحظہ ہو:

''باہر باغ میں جہنم کی سی تاریکی تھی اور درختوں کی لمبی لمبی ٹہنیاں رات کی ہواؤں میں عالمِ وحشت میں دست وگریباں ہوتی نظر آرہی تھیں۔ ایشیائی اندھیری راتوں کی میں عاشق سہی، پر وہ ایک ضرورت سے کچھ بہت زیادہ تاریک رات تھی۔'' (122)

''جس کا نام ناصر تھا'' یہ اس مجموعے کا آٹھواں افسانہ ہے۔ یہ کہانی ایک جنازے سے شروع ہوتی ہے جو ناصر نامی شخص کا ہے۔ افسانہ نگار جنازے کو دیکھ کر اس تشویش میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ مرنے والا کون تھا اور کیسا تھا۔ اس بارے میں وہ مختلف افراد سے سوالات کرتی ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے انداز میں جواب دیتا ہے۔ اس طرح یہ واضح نہیں ہو پاتا کہ مرحوم نیک تھا یا بد۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس افسانے کی کہانی کے بین السطور فلسفہ جبر کارفرما ہے۔

احتیاطِ عشق اس افسانوی مجموعے کا نام ہے۔ ''احتیاطِ عشق'' افسانے کی واحد متکلم یعنی روحی اپنی دیرینہ دوست الیفو سے ملتی ہے تو بہت خوشی محسوس کرتی ہے۔ الیفو روحی کو بتاتی ہے کہ مجھے جس شخص یعنی منیر سے محبت ہے آج رات وہ آرہا ہے۔ روحی اس سے کہتی ہے کہ تم نے محبت میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں الیفو کا کہنا یہ ہے کہ میں احتیاطِ عشق کی قائل نہیں۔ اس افسانے میں افسانہ نگار اپنا یہ نقطہ نظر قاری سے منوانے میں کامیاب رہتی ہیں کہ محبت میں جلد بازی اور عجلت سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ پہلی نظر میں آپ کو جس سے محبت ہو جاتی ہے دوسری مرتبہ بغور دیکھنے سے ختم بھی ہو سکتی ہے۔

افسانہ نگار نے انتہائی دلکش انداز میں اپنا یہ نکتہ نظر افسانوی اسلوب میں بیان کر دیا ہے کہ محبت کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اس میں جلد بازی انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ حجاب کا یہ افسانہ جزئیات نگاری کی بہترین مثال ہے۔ وہ ہر منظر اور ہر کیفیت کو تفصیل ہموار انداز میں بیان کرتی چلی جاتی ہیں۔ انہوں نے اس افسانے میں بھی منظر نگاری

کا کمال دکھایا ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے ایشیائی دوپہر کی منظر کشی میں کمال کر دیا ہے۔

''گہرے گلابی رنگ کی ایشیائی دوپہر تھی اور آسمان پگھلے ہوئے نیلم کی طرح دمک رہا تھا۔

کاسنی ٹہنیوں پر سبز رنگ کے پرندے بیٹھے دردِ محبت کے نغمے الاپ رہے تھے۔ (123)

''پے انگ گیسٹ'' اس مجموعے کا اگلا افسانہ ہے۔ حجاب کا یہ افسانہ ان کے چند ایک اچھے افسانوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس افسانے میں زندگی کی بے ثباتی کو موضوع بنایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی رشتے مفادات پر کس طرح قربان کر دیے جاتے ہیں۔ ایک شخص جسے غالباً کینسر ہے اس شخص کو اس کی اولاد بھی اپنے گھر نہیں رکھنا چاہتی۔ پھر اس کا پرانا دوست بھی بہانہ بنا کر اسے اپنے گھر سے نکال دیتا ہے۔ بالآخر وہ شخص افسانہ نگار کے پاس آتا ہے جو اسے اپنے گھر کے ایک کمرے میں ٹھہرا لیتی ہیں تا کہ وہ آسانی سے موت کا سامنا کر سکے۔ اس افسانے کا آغاز اس انداز میں کیا گیا ہے کہ افسانے کی واحد متکلم اپنی ایک کہانی مکمل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ باہر طوفانی بارش ہو رہی ہے اور تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ بجلی اتنے زور سے کڑک رہی ہے کہ بار بار اس کے خیالات کے تسلسل کو توڑ دیتی ہے۔ اتنے میں ایک شخص اس کے سامنے کھڑا نظر آتا ہے۔ اسے اس اجنبی شخص کے چہرے پر کرب کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ مختصراً اپنی کہانی افسانہ نگار کو سناتا ہے۔ یہ افسانہ بنیادی طور پر تو تین کرداروں پر مشتمل ہے تاہم کچھ ایسے کردار بھی اس میں شامل کیے گئے ہیں جو ضمنی طور پر کہانی کو آگے بڑھانے میں معاونت کرتے ہیں۔ افسانے کا اہم کردار ذاکر ہے جو ایک قابل رحم انسان ہے۔ اس کی گفتگو اتنی دردناک ہے کہ قاری کو بھی اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگتی ہے۔ دوسرا اہم کردار خود افسانہ نگار ہے جو بڑی دلچسپی اور انہماک سے اس اجنبی شخص کی روداد سنتی ہے۔ ضمنی کرداروں میں روحی کی خادمہ زوناش اور ذاکر کے دوست راشد آ جاتے ہیں۔ افسانہ نگار نے ان کرداروں کو اس طرح Paint کیا ہے کہ ان کے پیکر آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس افسانے میں معنی خیز جملوں کے ذریعے افسانے کی وحدت تاثر کو مزید تقویت ملتی ہے۔ مثلاً یہ جملہ دیکھیے:

''ہم سب زندگی کی شمع ہاتھ میں لیے فنا کی آندھی کے سامنے کھڑے ہیں۔۔۔ فنائیت کا غم اور زندگی کی بے یقینی ہر انسان کا مقدر ہے۔'' (124)

اس افسانوی مجموعے میں افسانہ ''بادل'' تمثیلی انداز کا افسانہ ہے۔ اس افسانے میں انسان

کی انسان سے بے زاری کو موضوع بنایا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص دوسرے شخص کی مشکل آسان نہیں کرنا چاہتا۔

اس مجموعے کا افسانہ ''بھنور'' ایک نفسیاتی نوعیت کا افسانہ ہے۔ بعض اوقات انسان زندگی کی آسانیوں سے گھبرا جاتا ہے اور خواہش کرنے لگتا ہے کہ اس کے راستے میں کچھ رکاوٹیں ہوں، آزمائشیں ہوں تاکہ زندگی کی یکسانیت ختم ہو سکے۔

''توئی، توئی، توئی'' ایک نامعلوم پرندے کی آواز ہے اور یہ آواز ہی افسانے کا عنوان ہے جو اسی کتاب میں شامل ہے۔ افسانہ نگار نے وبائی مرض میں مبتلا بھائی اور والدہ کے انتقال کے غم کو محسوس کرتے ہوئے یہ افسانہ لکھا ہے۔ حجاب چونکہ وبائی امراض میں مبتلا اشخاص کو دیکھ چکی تھی اس لیے ان کی کہانیوں میں وبائی امراض کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس افسانے میں اگرچہ کوئی نیا خیال پیش نہیں کیا گیا لیکن حجاب کا اندازِ بیان ایسا دلکش اور منفرد ہے کہ وہ کہانی کو ایک نیا رنگ بخش دیتی ہیں۔ یہی منفرد اسلوبِ تحریر ان کی کہانیوں کے تاثر میں کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ ان کا مشاہدہ بہت گہرا اور عمیق ہے۔ وہ ہر چیز، ہر منظر، ہر موسم اور ہر کردار کا گہری نگاہوں سے مشاہدہ کرتی ہیں اور پھر اسے کہانی کے روپ میں ڈھال دیتی ہیں۔ حجاب تشبیہات اور جزئیات نگاری کی ماہر ہیں۔ اس وجہ سے ان کی نثر میں ندرت پائی جاتی ہے۔ یہ ایک علامتی نوعیت کا افسانہ ہے جس میں ایک نامعلوم پرندے کی آواز توئی توئی دراصل افسانے کے ایک کردار ننھے جاوید کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

اس مجموعے میں شامل اگلے افسانے کا عنوان ''سائن بورڈ'' ہے۔ یہ ایک مزاحیہ نوعیت کا افسانہ ہے۔ حجاب کا یہی افسانہ غلام عباس کی مرتبہ کتاب ''انتخابِ پھول'' اور ''بچوں کا ادب'' مرتبہ شیما مجید میں بھی شامل ہے۔ (125)

احتیاطِ عشق میں شامل چوبیسویں افسانے کا عنوان ''کارِ جہاں'' ہے۔ اس افسانے میں حجاب نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ کارِ جہاں میں گم ہو کر ہم نے کائنات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں سرد مہرانہ رویہ اختیار کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ ادیب اور شاعر بھی کائنات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے لاتعلق ہو چکے ہیں۔

احتیاطِ عشق میں شامل افسانوں کا مجموعی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس میں شامل کچھ افسانے محبت کے نازک و لطیف جذبات کے عکاس ہیں تو کچھ افسانے ماضی کی خوش

گوار یادوں پر مشتمل ہیں۔اس مجموعے میں ایسے افسانے بھی شامل ہیں جن میں ہلکا پھلکا مزاح موجود ہے۔کچھ افسانے شدتِ احساس سے مملو ہیں۔

ہمارے تجزیے کے مطابق حجاب کے اس مجموعے میں شامل افسانوں میں موسیقی، مصوری، رقص اور شاعری ایسے فنون لطیفہ کا بار بار تذکرہ ملتا ہے۔جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حجاب فنون لطیفہ سے گہری رغبت رکھتی تھیں۔

حجاب کے دیگر افسانے

حجاب کے وہ افسانے جوان کے کسی افسانوی مجموعہ میں تو شامل نہیں ہیں البتہ مختلف ادبی جراید میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ان کے کوائف یہ ہیں:

ا۔	خط	نیرنگِ خیال بابت (سالنامہ) 1929	ص48
۲۔	محبت	عصمت بابت جنوری 1930	ص30تا32
۳۔	بیوی کا خط	نیرنگِ خیال بابت 1932	ص75
۴۔	بلی	ساقی (سالنامہ) بابت جنوری 1934	ص99تا103
۵۔	ہم جنس با ہم جنس	نیرنگِ خیال بابت فروری 1939	ص35تا37
۶۔	ایک رات	ادبِ لطیف بابت اگست 1939	ص37تا40
۷۔	کوئلیں چلا رہی تھیں	ساقی (افسانہ نمبر) بابت جولائی 1942	ص22تا31
۸۔	میری ٹائی کی طرف دیکھیے	ساقی بابت مئی 1944	ص42تا44
۹۔	ذہنی الجھن	ساقی بابت اکتوبر 1945	ص41تا44
۱۰۔	تھیٹر کے ٹکٹ	شاعر (خواتین افسانہ نگار نمبر) بابت اکتوبر۔نومبر 1945	ص30تا32
۱۱۔	بلانوش	ساقی مشترکہ شمارہ جنوری۔فروری 1947	ص50تا53
۱۲۔	دروازے	ساقی مشترکہ شمارہ جولائی۔اگست 1947	ص41تا43
۱۳۔	وہ دن وہ راتیں	ماہِ نو بابت مارچ 1950	ص17تا18
۱۴۔	بارہ دری	سیپ کراچی (افسانہ نمبر) شمارہ نمبر 15	ص33تا37
۱۵۔	بلوچی	سروش لاہور۔(س ن)	ص27

مجموعی جائزہ

حجاب کی افسانہ نگاری کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر فردوس انور قاضی اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

''حجاب امتیاز کے افسانوں میں جو زیادہ تر فطری حسن کے جلو میں رہ کر تخلیق کیے گئے ہیں مسلسل ایک سوال ابھرتا ہے۔۔یہ سب کیا ہے؟۔۔۔اور اس میں انسان کے وجود کی کیا اہمیت ہے؟ یہ بڑے اہم اور بنیادی سوال ہیں۔ بڑی افسانہ نگاری انہی سوالوں سے شروع ہوتی ہے اور انہی پر ختم ہو جاتی ہے۔سوالات ایک جستجو اور متحرک فکر بن جاتے ہیں مگر حجاب کے افسانوں میں یہ سوالات جذباتیت کی بے نام کیفیت بن جاتے ہیں۔ ایک وقتی ہیجان اور چھپی ہوئی جنسی ناآسودگی کے غماز نظر آتے ہیں۔ جب یہ ہیجان اور ناآسودگی ختم ہو جاتی ہے تو یہ سوالات صرف ایک طرز تحریر معلوم ہوتے ہیں اور بس ان کی افسانہ نگاری انہی منازل سے گزری ہے۔رنگوں سے ابتدا اور بے رنگی پر انتہا۔ بہر حال ان افسانوں میں ایک بات تو ضرور ہے کہ ان سوالوں پر اگر انہیں غور کرنے کی نہیں تو دیکھنے کی جرات ضرور موجود ہے۔۔حجاب امتیاز علی کے افسانے اس پوری کائنات میں انسانی وجود کی تنہائی، مجبوری اور کسمپرسی کا احساس دلاتے ہیں۔'' (126)

ہماری رائے میں اُردو افسانے کے تشکیلی دور میں جن افسانہ نگاروں نے اہم کردار ادا کیا حجاب کا شمار ان ہی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے زرخیز تخیل سے اُردو افسانے کی وسعت اور پھیلاؤ میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ مستقبل کے ادبی منظر نامے میں حجاب کو کیا مقام

حاصل ہوگا اس کے بارے میں ڈاکٹر فردوس انور قاضی کے رائے کے برعکس محمود ہاشمی یہ رائے دیتے ہیں:

''میرا خیال ہے اکیسویں صدی میں جب کرشن چندر پر رومانوی افسانہ نگار ہونے کا ٹھپہ لگے گا، شفیق الرحمان افسانہ نگاری کی اپنی ابتدائی حیثیت پر براجمان ہونگے، اکیسویں صدی کی تیسری دہائی تک پہنچتے پہنچتے کرشن چند، شفیق الرحمٰن اور حجاب امتیاز علی افسانہ نگاری کے رومانوی اسکول کے اہم ستون شمار ہونگے۔'' (127)

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اکیسویں صدی حجاب امتیاز علی کو ایک نئی پہچان اور نئی شناخت عطا کرے گی۔

مضامین

نغمات موت

نغمات موت حجاب کے مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جس میں اٹھارہ مضامین شامل ہیں۔ یہ مجموعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی کے زیر اہتمام 1932 میں چھپا۔ مضامین کا یہی مجموعہ حجاب کی پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔ اس میں شامل بیشتر مضامین کو حجاب نے اشعار منثور کا نام دیا ہے۔ حجاب نے یہ مضامین اپنی پیاری ماں کی موت پر مرثیے کے اسلوب میں لکھے ہیں۔ اس مجموعے کا انتساب انہوں نے اپنے والد محترم مولوی سید محمد اسماعیل کے نام کیا ہے۔ اس کا دیباچہ عبدالحمید حسن نے لکھا ہے۔ وہ اس کتاب کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عزیزی حجاب کے لیے اپنی پیاری ماں کی موت کوئی معمولی بات نہ تھی جو ایک عرصہ کے بعد آسانی سے فراموش ہو جاتی۔ ان کی ماں کی موت کا واقعہ ان کے دل میں ہمیشہ تر و تازہ رہے گا۔۔۔۔۔۔ مس حجاب کا نغمات موت ان کے غم کی کہانی اور ان کے منہ کی زبانی اور ان کے کلک گوہر بار کی درفشانی ہے۔'' (128)

اس مجموعے میں شامل حجاب کی تمام نگارشات آنسوؤں سے لبریز اور اداسی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ماں نہ صرف ان کے لیے ایک ماں کی حیثیت رکھتی تھیں بلکہ وہ ان کی ایک گہری دوست بھی تھیں۔ انہوں نے اپنی ماں کی موت کا غم انتہائی شدت سے محسوس کیا۔ حجاب کو ایک مشہور و معروف ادیبہ بنانے میں حجاب کی ماں کی موت ایک اہم محرک ثابت ہوئی۔ ماں سے جدائی کی وجہ سے جنم لینے والی تنہائی نے حجاب کے قلم کو روانی عطا کر دی۔ عبدالحمید حسن نے نغمات موت کے دیباچہ میں اُردو کے معروف اور صاحبِ اسلوب ادیب خواجہ

حسن نظامی کی رائے کا حوالہ دیا ہے۔خواجہ حسن نظامی حجاب کی تحریروں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مس حجاب اسماعیل کی تحریر میں نہایت بلند خیالی اور فلسفیانہ استدلال اور ایک مخفی اثر ہوتا ہے۔انہوں نے اُردو زبان میں ایک خاص مہارت اور ترقی حاصل کی ہے۔ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات پر حکومت کرتی ہیں۔یعنی وہ جس پیرایہ اور جس پہلو سے اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتی ہیں ظاہر کرسکتی ہیں۔مجھے فخر ہے کہ میری قوم میں ایسی لائق اور ہونہار لڑکیاں موجود ہیں۔''(129)

حجاب کے اس مجموعے کے آغاز میں نعمات موت کے عنوان سے مرحومہ منجھو بیگم لکھنوی کی ایک نظم شامل ہے کتاب کے ٹائٹل پر یہ شعر درج ہے:

نہ ہوائے دشت تھی جانفزا نہ فضائے باغ تھی دلکشا
جسے ڈھونڈتا تھا مریض غم وہ سکون زیرِ مزار تھا

اس مجموعے میں شامل پہلے مضمون کا عنوان روحانی بات چیت ہے۔حجاب اپنے اس مضمون کو اشعار منثور قرار دیتی ہے۔اس مضمون میں وہ اپنی پیاری ماں کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''آہ تم میرے لیے بجائے اک ماں کی مقدس اور بزرگانہ ہستی کے بچپن کی رفیق اور نوعمر بے تکلف ساتھ کی کھیلی سہیلی تھیں اور ہر موضوع پر آزادانہ دلبریانہ انداز میں بحث اور گفتگو کیا کرتی تھیں۔میں جانتی ہوں کہ تم دنیا کی ماؤں میں نرالی ماں تھیں کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ ماں معمر بزرگ رعب دار اور جھریاں پڑے ہوئے چہرے والی ہوتی ہے مگر برعکس اس کے میں دیکھتی تھی کہ تمہارا چہرہ ان جھریوں سے معرا تھا۔تم ایک نوجوان، خوبصورت، محبت شعار، نازک اندام سہیلی تھیں۔''(130)

حجاب اپنے اسی مضمون میں اس امر کا اظہار اور اعتراف کرتی ہیں کہ ان کی ماں ان کے لیے ایک معاون دوست تھیں اور وہ ان کی نامکمل تحریروں کو مکمل کردیا کرتی تھیں۔حجاب لکھتی ہیں:

''میں کوئی ناتمام افسانہ لکھتی اور تم فوراً جس کو مکمل کردیتی۔۔۔آہ کیسی مد برتم! ہم دونوں کی ہم خیالیوں نے ہم دونوں کو بالکل ایک بنادیا تھا اللہ۔۔۔آخر حسن کو عشق سے جدا

کر کے نیچر کو کیا مل گیا؟ آخر اب بھی تو تم نے اپنی ادبیات کو نامکمل چھوڑ دیا ہے کیا تم اجازت دو گی کہ میں تمہارے نامکمل ناولوں کو مکمل کر دوں؟ اور تمہیں یاد ہوگا کہ نامکمل کو مکمل کر دینا تمہاری زندگی میں ۔۔۔۔ ہم دونوں کا ایک دلچسپ علمی کھیل تھا۔'' (131)

نغمات موت میں شامل دوسرے تاثراتی مضمون کا عنوان تمہاری نیند ہے۔ اس تحریر کو بھی وہ اشعار منشور قرار دیتی ہیں۔ وہ اپنی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے دردناک اسلوب میں کہتی ہیں:

''تمہاری بھی کیسی گہری نیند ہے! کہ میرے بار ہا اٹھانے پر بھی بیدار نہیں ہوتیں میں سوچتی ہوں کہ تم رات بھر کی تھکی ماندی ہو بیماری کی طویل تکالیف کی ستائی ہوئی ہو اسی لیے سوگئی ہوگی؟'' (132)

اس مجموعے میں شامل اگلے مضمون کا عنوان افسانوی رات ہے۔ اسے حجاب نے تخیلات قرار دیا ہے۔ اس مضمون میں وہ اپنی پیاری ماں کی یادوں کو اس طرح تازہ کرتی ہیں:

''آہ وہ دن گزر گئے! وہ وقت چلا گیا اور تقدیر نے شہاب ثاقب کی طرح جو آسمان سے ٹوٹ کر غائب ہو جاتا ہے۔ تمہارے ستارہ حیات کو زندگی کے آسمان سے توڑ کر میری نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل کر دیا۔ آج پھر اسی مہینے کی ایک رات ہے۔ آج پھر نارنگی کی کلیوں کی بو صحن باغ میں مہک رہی ہے۔ پھر وہی قدیم چاند آسمان کے کناروں کو چوم رہا ہے پر آہ! آج تم اس دنیا میں موجود نہیں۔ اور یہ کائنات اتنی بڑی کائنات بغیر تمہارے خالی نظر آتی ہے۔

یہ چمن یہ دشت یہ ارض و سما میرے لیے
مختصر یہ ہے کہ ہے ماتم کدہ میرے لیے
آرزو کیسی کہاں کا شوق کیسی حسرتیں؟
اک تیری موت نے ان سب کی ہمت توڑ دی (134)

ان مضامین کو پڑھتے ہوئے ہمیں حجاب کی افتادِ طبع، انداز طبیعت اور مزاجی کیفیات کا کھوج ملتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن سے پریوں کی کہانیاں پڑھنے کی شوقین تھیں۔ ان کی روح خواب اور افسانے کی عاشق تھی۔ وہ ایک خیال پرست شخصیت تھی۔

نغمات موت میں شامل مختصر مضمون ''تمہاری آواز'' کو حجاب اشعار منشور قرار دیتی ہیں۔ ان

کے مختصر مضمون میں وہ اس حسرت کا اظہار کرتی ہیں کہ کاش اس کی سماعتیں بار دگر اپنی پیاری ماں کی آواز سنیں۔ انہیں اپنی ماں کی آواز رسیلے گیت کی مانند معلوم ہوتی ہے۔

''دراز ہونے والے سائے'' نغمات موت کا چھٹا مختصر تاثراتی مضمون ہے۔ حجاب نے اسے بھی اشعار منثور قرار دیا ہے۔ یہ مضمون بھی ماں کی یادوں سے معمور ہے۔ وہ اپنا حال دل بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''آہ! ان دراز ہونے والے سایوں کو دیکھ کر بچھڑے وقت کی دردناک داستان اور دلچسپ افسانے کسی بھولی بسری نظم کے مصرعوں کی طرح یکے بعد دیگرے آہستہ آہستہ میرے حافظہ میں تازہ ہو گئے۔ کیونکہ دن کے ڈھلتے ہی شاہ بلوط اور زیتون کے ان تناور درختوں کے سائے پھر اسی طرح دراز ہونے لگے تھے جیسے تمہاری زندگی میں تمہارے خوبصورت باغ پاس میں ہوا کرتے تھے۔'' (135)

حجاب اپنے مضامین میں بھی رومانویت اور طلسماتی واقعیت کے شگوفے کھلاتی ہیں۔ وہ اپنے مضامین میں حقیقی واقعات اور حادثات کی جیتی جاگتی تصاویر تخیل کی آمیزش کے ساتھ اس طرح پیش کرتی ہیں کہ قاری ان کی گرفت سے باہر نہیں آ سکتا۔ ان کے مضامین نشتر بن کر دل میں ترازو ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیں خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں لے جا کر زندگی کی حقیقتوں کا نظارہ کراتی ہیں۔ اسی مجموعہ مضامین میں شامل ان کے ایک نثر پارے کا عنوان نئی دنیا ہے۔ وہ اس نثر پارے کو بھی اشعار منثور کا نام دینا پسند کرتی ہیں۔ وہ اپنی ماں کو جذبات کی انتہائی شدت کے ساتھ چاہتی ہیں اور ان سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں:

''اے دوست میرا بھی دل اب یہی چاہتا ہے کہ اب اس بوجھ کو اتار پھینکوں۔۔۔ اور کسی دن۔۔۔ ہواؤں کے ساتھ فرشتے کے بازوؤں کے گرے ہوئے کسی ہلکے پھلکے پر کی طرح اڑ کر تمہارے بلند اور چمکیلے جزیرے میں چلی آؤں جہاں۔۔۔ میرے بہت سے پیارے پیارے دوست چلے گئے۔ پر کوئی واپس نہیں پھرا۔ اور جہاں ایک ایسی مقدس روح چلی گئی جس نے میری خوشیوں اور امیدوں کی کلی کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔'' (136)

"کھوئی ہوئی روح" اس مجموعہ مضامین کا آٹھواں مضمون ہے۔ اسے بھی حجاب نے اشعار منثور کا نام دینا پسند کیا ہے۔ اس میں بھی وہ اپنی ماں کو یاد کرتے ہوئے ان جذبات کا اظہار کر رہی ہیں:

"شاید یہ موسم بہار مجھے تنہائی اور سوگواری میں گزارنا پڑے۔ آہ! کیسا ڈراؤنا خواب ہے۔ کیا تم بھی کچھ دیکھتی ہو۔ زیتون کے درختوں پر سرخ مینائیں کیسے فردوسی لہجے میں چہچہا رہی ہیں۔ اُف اُف کتنا دردمند گیت ہے۔ کیا تم بھی کچھ سنتی ہو۔" (137)

اس مجموعے میں شامل اگلے مضمون کا عنوان باسی چاند ہے۔ وہ تاثراتی انداز میں والدہ کی المناک موت کے واقعہ کو اس مضمون میں یوں بیان کرتی ہیں۔ حجاب سولہویں تاریخ کا چاند دیکھ کر چاند سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں:

"پرانے چاند! اسے باسی چاند! مجھے تیری زرد اور پژمردہ صورت سے محبت ہے کیونکہ تیرا اداس چہرہ دیکھ کر مجھے اپنی اداس زندگی یاد آتی ہے۔ تو کیسا راز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو رخسار فلک کا ایک ڈھلکا ہوا سنہرا آنسو ہے۔" (138)

حجاب کے لیے اپنی دوست ماں کی دائمی مفارقت ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ ان کا دل اس سانحے کی المناکی کو انتہائی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ وہ اس واقعے کے نتیجے میں جنم لینے والے غم کو نوک قلم پر لا کر اپنے جذبات کا تزکیہ اور تطہیر مختلف پہلوؤں اور مختلف زاویوں سے کرتی ہیں۔ ان کے حیاتی کینوس پر مصور ہو جانے والا غم مختلف طریقوں سے صفحہء قرطاس کی زینت بنتا چلا جاتا ہے۔ اس مجموعہ مضامین سے دسویں مضمون کا عنوان آرزو ہے:

"تو پھر مری آرزو۔۔۔ جان لیوا اور روح کو تڑپانے والی آرزو۔۔۔ کچھ ایسی بے جا معلوم نہیں ہوتی۔۔۔ کہ پھر اک دفعہ پچھلے افسانوی دنوں کے ساتھ تمہاری مقدس روح واپس آجائے اور صرف دو لمحے مجھ سے گفتگو کر سکے۔" (139)

اسی مجموعہ مضامین کے ایک قدرے طویل مضمون "دیباچہ دل میں" وہ زندگی کے بارے میں اپنا مخصوص نقطہء نظر ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

"زندگی، بے لطف، بے معنی زندگی۔۔۔ بدحواس، بے رونق زندگی۔۔۔ زندگی، جس میں کسی

قسم کی چاشنی ہے نہ تلخی، روشنی ہے نہ تاریکی اک مدتوں کے ویرانے اور تھمے ہوئے پانی کی مانند ہے۔ جو زہریلے اثرات فضا میں پھیلا کر انسانوں کو بیمار کر دیتا ہے۔۔زندگی ہمارا پیدائشی جہیز ہے! پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس سے جیسا چاہیں ویسا سلوک نہ کریں۔ کسی کو اس میں باز پرس کا حق نہیں ہونا چاہیے ہر گز نہیں ۔نہ عدالت کو نہ سوسائٹی کو۔

میں کاش عمر رواں تجھ کو چھوڑ کر بھاگوں
طلسم خانہ ہستی کو توڑ کر بھاگوں (140)

نشمات موت میں مشمولہ مضامین میں خواہش مرگ، جبلت مرگ، زندگی کی فنا پذیری اور بے ثباتی کا احساس اور شعور غالب ہے۔ حجاب کے نزدیک زندگی بے معنی اور بے مفہوم ہے۔ ان کے لیے ماں کی موت کا صدمہ زندگی کی بے معنویت کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔ وہ اس مجموعہ میں شامل مضمون اداسی کو بھی اشعار منثور قرار دیتی ہیں اور اس کا آغاز اس شعر سے کرتی ہیں:

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے
دل کیا اداس ہے کہ زمانہ اداس ہے

اس مضمون کے متن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انسان کا دل اداس ہو تو ہر چیز اداس اور غمگین دکھائی دیتی ہے اور اگر دل خوشیوں سے لبریز ہو تو اسے ہر چیز مسرور دکھائی دیتی ہے۔ انسانی ذہن کی یہ کیفیت انگریزی تنقیدی اصطلاح کے مطابق Transferred Epithet کہلاتی ہے۔ یہ کیفیت تقریباً اس مجموعے میں شامل ہر مضمون کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ زیر تبصرہ مضمون یعنی اداسی میں لکھتی ہیں:

''فنا کے اداس پتے چاند کی زرد روشنی میں شدت گریہ سے کانپ رہے ہیں۔ ہر باغیچے کے زرد پھول آنکھیں بند کیے ہواؤں میں سسکیاں لیتے معلوم ہوتے ہیں۔ آہ! کیا ان کا بھی کوئی عزیز دائمی طور پر بچھڑ گیا ہے؟ آہ میری اداس زندگی۔۔۔۔ آخر آج دنیا کیوں سوگوار نظر آتی ہے کون سا عزیز اس کا اس سے بچھڑ گیا ہے۔'' (141)

حجاب ایک ایسی منفرد نثر نگار ہیں جو ایک شاعر کا مزاج اور سرشت لے کر پیدا ہوئیں۔ ان کی نثر کی سرحدیں شاعری کے بہت قریب پہنچ جاتی ہیں۔ ان کا شعری مزاج ان کی نثر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ ہم ان کی نثر کو لبنان کے معروف اور منفرد اسلوب کے حامل ادیب خلیل جبران

سے مشابہت اور مماثلت دے سکتے ہیں۔ ان کے نثر پارے بھی کسی شاعر کے قلم کی دین محسوس ہوتے ہیں اور یہی صورت حال حجاب کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس مجموعہ مضامین کا پندرھواں مضمون ''درخت'' ہے۔ اسے بھی انہوں نے اشعار منشور قرار دینے پر اصرار کیا ہے۔ وہ ایک قدیم درخت کو دیکھ کر اس سے مخاطب ہوتے ہوئے لکھتی ہیں:

''میرے رفیق۔۔۔ تو فلاسفروں کی طرح سر جھکائے آخر کیا سوچ رہا ہے۔ تیرے جھکے ہوئے پتے، مضبوط بھورے پیڑ! مجھے بتا رہا ہے کہ تو زندگی بسر کرنے کے راز سے کماحقہ آگاہ ہے۔ جس سے میں قطعاً ناواقف ہوں۔ تو مجھ سے کہیں زیادہ اچھا ہے کہ زبردست موسمی طوفان اور ڈراؤنی رات کی تاریکیوں کا تنہا مقابلہ کرتا ہوا آج تک اپنی جگہ پر قائم ہے۔ جبکہ میں تفکرات حیات کے ہلکے ہلکے طوفانوں اور غم مرگ کی سیاہی سے کانپ اٹھتی ہوں اور اپنی جگہ سے خزاں کے سوکھے پتے کی طرح اُڑ کر کہیں کی کہیں جا پہنچی ہوں۔'' (142)

ادب زریں

حجاب کا دوسرا مجموعہ یعنی ادبِ زریں راقم کو دستیاب نہیں ہو سکا۔ تاہم حجاب کی یہ کتاب ان کے افسانوی مجموعہ صنوبر کے سائے (1993) میں شامل ہے۔ اس مجموعے میں ان کا روزنامچہ موم بتی کے سامنے اور نغمات موت بھی شامل ہے۔ اس میں شامل تمام نثر پارے تخیل کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں۔ اس مجموعہ میں اڑتالیس (48) مضامین شامل ہیں۔ انہوں نے یہ مجموعہ اپنی والدہ مرحومہ کے نام معنون کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1933 میں محبوب المطابع برقی پریس دہلی کے زیرِ اہتمام چھپی۔ اس میں شامل پہلے نظم نما مضمون کا عنوان ''ارمان'' ہے۔ یہ مختصر سا مضمونچہ حجاب کے مخصوص اسلوب تحریر کا ایک نمونہ ہے۔ اس کا ایک مختصر پیراگراف دیکھیے:

''سورج ڈوب جاتا ہے اس کے ساتھ ہی میرے ارمان میرے افسردہ ارمان بھی ڈوب رہے ہیں۔ وہ دوسرے دن پھر نکل آئے گا پھر یہ راستہ بھول کر دوسری طرف کو نکل جائیں گے۔ وہ ایک دفعہ پھر طلوع ہوگا۔ میرے ارمان ہمیشہ کے لیے غروب ہو جائیں گے۔'' (143)

اس مختصر مضامین کے مجموعے کا دوسرا نثر پارہ ''اختلاف'' کے زیر عنوان لکھا گیا ہے۔اس میں وہ اپنے خیالات اور تاثرات کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

''جب گرم موسم کا کوئی بھنورا باغ کی طرف سے راگ گاتا ہوا اتفاقیہ میرے کمرے میں چلا آتا ہے تو مدتوں بعد میرے افسردہ خواب شگفتہ ہونے لگتے ہیں۔'' (144)

تیسرا نثر پارہ صرف ایک سطر پر مشتمل ہے اور اس کا عنوان ''خوف'' ہے۔چوتھے نثر پارے کا عنوان ''تین سوال'' ہے۔ان تین سوالوں میں جو اس نثر پارے میں اٹھائے گئے ہیں اس کا پہلا سوال ملاحظہ فرمایئے:

''اے میری آرزو کے گلاب! تو مرجھا کیوں گیا؟
باغوں کے گلاب شگفتہ ہو گئے
سرد سرد شبنم نے ان کی پنکھڑیاں کھول دیں
گرم گرم آنسو تیری بند پنکھڑیاں نہیں کھول سکتے؟''

اس مجموعے میں شامل تمام تحریریں چھوٹے چھوٹے واقعات سے وابستہ گہرے جذبوں کی عکاس ہیں اور ہمیں اپنے اردگرد پھیلی تخیلاتی رومان پرور فضا میں سانس لینے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ان میں سے ہر تحریر محسوس کرنے والے کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔اس مجموعہ مضامین کے پانچویں مختصر مضمون کا عنوان ''چرواہا'' ہے۔چرواہا کیا محسوس کرتا ہے۔چرواہے کی زبانی سنیے:

''میں زندگی کے نمائشی تکلفات سے معرادن رات ایک بے لوث دھیمی مسکراہیت سے ہمکنار رہتا ہوں۔میری آنکھیں بازاروں میں جگمگانے والی قندیلوں کو نہیں دیکھتیں۔ میری نگاہیں جنگلوں کی تنہائیوں میں تقدیر کی روشنی کی متلاشی ہیں۔میں اپنی زندگی کی صبح کو ایک دلچسپ کہانی کی طرح شروع کرتا ہوں اور اسی حالت میں بے ہوش اور سرشار رہتا ہوں۔تاوقتیکہ دوسرے دن کی روشنی مجھے اپنی آغوش میں نہیں چھپالیتی۔ (146)

اس سے اگلا مختصر مضمون ''سہیلی سے'' ہے۔اس میں حجاب نے زندگی کے بارے میں اپنے تصورات بیان کیئے ہیں۔وہ زندگی کو کیا سمجھتی ہیں مندرجہ ذیل سطور میں دیکھیے:

''یہ زندگی ـــ جس کو تم اور میں ایک حسین کلی سمجھتے تھے۔ایک خزاں رسیدہ درخت کی مانند

ہے۔ جو کبھی سوکھ جاتا ہے تو کبھی سرسبز ہونے کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ زندگی۔۔۔ جس کو تم اور میں فرشتہ کا ایک لطیف خواب سمجھتے تھے۔ شیطان کا ایک طویل قہقہہ ہے۔ یہ زندگی۔۔۔ جس کو ہم دونوں مور سے تشبیہہ دیا کرتے تھے، ایک ایسا تارا ہے جو تڑپ کر آسمان سے ٹوٹ جاتا ہے اور پھر خبر ہی نہیں ہوتی کہاں غائب ہو جاتا ہے۔" (147)

حجاب کا اگلا مضمون نما تخیل پارہ "نغمہ" کے نام سے اس مجموعہ میں شامل ہے۔ اس سے اگلے نثر پارے کا عنوان "محبت" ہے۔ اس نثر پارے میں محبت کو نور سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ "اشتیاق" اس مجموعے میں شامل نواں نثر پارہ ہے۔ اس نثر پارے میں وہ اپنے تخیلات کو اس طرح نوک قلم پر لاتی ہیں:

"شام کی اداسیوں میں جب میں خواب گاہ کی کھڑکی کھول کر کھڑی ہوتی ہوں تو کیکر کے جُھنڈ میں ڈوبنے والا سبز آفتاب اور اس کی سرخ کرنیں تیری نارنجی رنگت کی زلف کی یاد دلاتی ہیں۔ عزیز دوست! بعض اوقات تیرا اشتیاق میرے لیے دلی پریشانی بن جاتا ہے۔" (148)

ان کا نثر پارہ "سرد ہاتھ" بھی اسی مجموعہ میں شامل ہے۔ اس نثر پارے میں احساسِ فنا پذیری اور خوف مرگ نمایاں ہے۔ صرف ایک پیراگراف دیکھیے:

"ہر چیز اپنے وقت پر غالب ہو جاتی ہے۔ رنگین بادل ہواؤں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ بلبل کے گیت بھی ہواؤں میں مل کر خاموش ہو جاتے ہیں اور باجے کے تار بھی شکستہ ہو جاتے ہیں۔ کوئی چیز بھی برقرار نہیں رہ سکتی۔۔۔۔۔ اے بنی آدم! دیکھ۔۔۔ موت کا فرشتہ ہر روز ہمارے شعلہ حیات کی طرف دامن بڑھاتا چلا آ رہا ہے۔ ایک دن اس کے سرد ہاتھ اس کو ٹھنڈا کر دیں گے۔" (149)

اس سے اگلے مختصر ترین نثر پارے کا عنوان ہے "کونسی چیز؟"۔ اس میں بھی حجاب نے ہمیں اپنے خیالستان کے جزیرے کی سیر کرائی ہے۔ اس مجموعے میں شامل تمام نثر پارے ایک حساس روح کے کرب، اضطراب اور حساسیت کے غماز ہیں۔

حجاب اپنے نثر بچہ "مسرت" میں ہمیں دعوت فکر دیتی ہیں کہ لوگ کس طرح اور کہاں کہاں

مسرت ڈھونڈ لیتے ہیں۔ پھر وہ اپنی تخیلاتی دوست سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں کہ آؤ ہم ڈھونڈیں ہماری مسرت کہاں پوشیدہ ہے۔ اس سے اگلے نثر پارے کا عنوان ''خزاں کی صبح'' ہے۔ اس نثر پارے میں بھی وہ اپنا منفرد خیال اس طرح پیش کرتی ہیں:

''میں نے اس سے کوئی بات نہ کی نہ اس نے اس کی کوشش کی کیونکہ ہم دونوں کا خیال یہی تھا کہ دو محبت کرنے والوں کو برے موسم کی یکسر بے لطف صبح میں ہم کلام نہیں ہونا چاہیے۔'' (150)

خوفِ مرگ، زندگی کی بے ثباتی، طوالت عمر کی خواہش حجاب کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ انہوں نے ان موضوعات پر اپنے افسانوں میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ ادبِ زریں کے مضمون ''انسان کے سائے سے'' میں بھی یہی موضوع زیر بحث آیا ہے۔ وہ اپنے احساسات اور تاثرات کو یوں لفظوں کا جامہ پہناتی ہیں:

''مجھے آنے والے دن کی وحشت ناک اطلاع سے بے دل نہ کر اور مجھ سے غمگین لہجے میں یہ بیان نہ کر کہ ہم یہاں فنا کے لیے آئے ہیں۔ مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔ میری آنکھیں اس لیے نہیں ہیں کہ ظالم موت انہیں بند کر دے! نہ دھڑکنے والے دل کے احساسات مجھے اس لیے دیے گئے ہیں کہ فنا کے سرد ہاتھ انہیں یک لخت گھڑی کی سوئی کی طرح اپنی جگہ ٹھہرا دیں۔ اس کی انگلیوں میں قوت ہے تو وہ صرف یہ کر سکتی ہے کہ میری روح کو جسم سے اور جسم کو روح سے ٹہنی سے گلاب کی طرح علیحدہ کر دے۔'' (151)

دنیا بھر کے فلسفی اور مفکر زندگی کی نوعیت اور ماہیت کے بارے میں ہمیشہ غور و فکر کرتے رہے ہیں۔ جنہوں نے زندگی کو جس زاویے سے دیکھا اسی زاویے سے بیان کر دیا۔ حجاب امتیاز علی نے بھی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اپنے افسانوں اور نثر پاروں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس مجموعے میں شامل ایک مختصر مضمون کا عنوان ''زندگی'' ہے۔ اس مختصر مضمون کی کچھ سطور ملاحظہ فرمائیے اور یہ دیکھیے کہ زندگی کے بارے میں ان کا نقطہ نظر کیا ہے:

''جب یاسمین کی مردہ کلیاں بہار کی ہواؤں سے زندہ ہونے کی کوشش کرتی ہیں اور چاند کی نرم روشنیوں سے اناج میں ایک مٹھاس پیدا ہونے لگتی ہے تو میں پوچھتی ہوں کہ

لرزش حیات کے کیا معنی ہیں؟ زندگی کسے کہتے ہیں؟ پر آہ! میرے معبود مجھے کوئی سمجھا نہ سکا کہ زندگی کیا ہے؟ سورج حنا کی میانہ قد جھاڑیوں کے پیچھے ڈوب گیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ارغنوں کا شور بھی کم ہوتا جاتا ہے۔ فضا پر ایک سکوت مطلق طاری ہو رہا ہے۔ آہ زندگی۔۔۔ کیسا اداس منظر ہے۔'' (152)

حجاب کا اس مجموعے میں شامل مضمون ''کتاب زندگی کا گزشتہ ورق'' بھی اسی نوعیت کا مضمون ہے۔ حجاب نے اپنی ذہنی آسودگی کے لیے، بہت سی تخیلاتی پناہ گاہیں تخلیق کر رکھی تھیں۔ اس مضمون میں بھی وہ ہمیں ایک ایسی ہی تخیلاتی ریاست سے متعارف کراتی ہیں:

''میری آنکھ آج سے پانچ سال قبل کے خوشگوار مناظر دیکھ رہی تھی۔ اے دوست، مجھے وہ دن یاد آ رہے تھے جبکہ تم اور ہم بغداد کی شہزادیوں کی طرح ریاست مال شور کے باغوں میں ہرنوں اور خرگوشوں کا شکار کرتے پھرتے تھے۔۔۔ ہمارے دراز اور ایشیائی حسن و شاعری کے ذمہ دار گھنگھریالے گیسو عربی النسل گھوڑوں پر لہرایا کرتے تھے اور ہماری مشرقی حیا، عصمت سے معمور سیاہ پرشوق آنکھیں جھاڑیوں کی تاریکیوں میں ڈوب ڈوب کر جانوروں کو ڈھونڈا کرتی تھیں۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ ہم کو جانوروں کے شکار کا بڑا زبردست شوق تھا۔ آہ! وہ دن گزر گئے وہ وقت گزر گیا۔'' (153)

ادب زریں میں شامل بیش تر مضمونچوں کا انداز اور اسلوب ایک جیسا ہے۔ ان میں چند ایک مضمونچے انتہائی مختصر ہیں۔ ان مضمونچوں میں خیال، دعا، خزاں کا پتہ' جدائی' گرمیوں کی دوپہر شاعر سے اور محویت ایسے مضامین ہیں کہ ان پر نقد و نظر کی ضرورت نہیں۔

اس مجموعے میں شامل ایک مختصر مضمون ''سادگی'' فلسفیانہ اسلوب نگارش کا بہترین نمونہ ہے۔ اس خیال پارے کا یہ اقتباس قابل مطالعہ ہے:

''دوست! مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ چشمے کے شفاف پانی اور انگور کی کہنہ شراب میں کیا فرق ہوتا ہے؟ تالاب کی ان چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کے پروں کے رنگوں اور کہکشاں میں چمکنے والے ننھے ننھے تاروں کی روشنیوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ شیریں ترین! آگ کے گرم گرم قطروں اور شبنم کی نرم نرم بوندوں میں کبھی تو نے کوئی فرق محسوس کیا۔ جب ان

گیتوں کو بجانے کے لیے تیرے بربط کے تار شکستہ ہیں تو پھر بھلا اس پر زندگی کا راگ کیا بج سکے گا۔'' (154)

اس مجموعے کے اگلے مضمون کا عنوان ''سیاحوں کی زبردست قسمت'' ہے۔ حجاب آزاد فکر سیاحوں کے اسلوب حیات اور طرزِ زیست کو بہت پسند کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مخلوق دنیا کے تفکرات اور پریشانیوں سے محفوظ رہتی ہے اس مضمون کا یہ پیراگراف حجاب کے نقطہ نظر کو واضح کرتا ہے:

''جس وقت میں تفکرات حیات سے بیزار ہو کر پژمردہ ہو جاتی ہوں۔ جس وقت میں اپنے سنسان خوابوں کی تعبیر سے متوحش ہو جاتی ہوں اور جس وقت دوستوں کی بے وفائیوں بے اعتنائیوں سے متاثر ہو کر موت کی خواہش مند ہوتی ہوں اور دنیا میرے لیے مصائب و تکالیف کی آماجگاہ بن جاتی ہے تو ایسے وقت میں اکثر سوال کرنے لگتی ہوں کہ نجات کس کی پیشانی پر چمکتی ہے؟ دنیوی الجھنوں سے آزاد کشمکش حیات سے بے پرواہ ہو کر زندگی بسر کرنے والے سیاحو! تم امن و نجات کی موجوں میں خوش قسمت مچھلی بن کر تیر رہے ہو۔ تمہارے چہرے سچی مسرت سے جگمگا رہے ہیں اور تمہاری پیشانی پر نجات کی مبارک لکیریں کھینچی ہوئی ہیں۔۔ اگر یہ سچ ہے کہ دنیا میں آزادی اور بے فکری صرف تم ہی لوگوں کی زبردست قسمت کے لیے وقف کر دی گئی ہے تو کیا تمہارے پاس کوئی ایسی تدبیر نہیں کہ یہ پوری دنیا ایک موجیں مارنے والا وسیع سمندر بن جائے اور ہم اپنی زندگیوں کے مضبوط جہاز میں سیاح بنے ہوئے اپنے اصلی وطن کی تلاش میں نکل پڑیں۔'' (155)

اس مجموعے میں شامل حجاب کا ہر نثر پارہ لفظوں کی مصوری معلوم ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے یہ نگارشات قلم سے نہیں موقلم سے تخلیق کی ہوں۔ ہر نثر پارے میں شعر کا آہنگ اور نظم کی تنظیم موجود ہے۔ ''برسات کا غروبِ آفتاب'' اس مجموعہ مضامین کا چالیسواں مضمون ہے۔ اس مضمون میں وہ ہمیں برسات کے موسم کے غروب آفتاب کا منظر دکھاتی ہیں۔

حجاب کا مضمون ''سمندر'' ان کی اپنی وضاحت کے مطابق امریکی شاعر فریڈرک جارج سکاٹ کی نظم ''ننھی ندی'' کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ وہ امریکن شاعر سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں:

''بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ آخر ننھی ندی کے کناروں پر کیا رکھا ہوتا ہے؟ سوائے اس کے کہ

بانس اور جنگلی سرو کے سربلند گنجان درختوں کی ٹہنیوں سے دوپہر کی وحشی ہوائیں بے تابانہ سر ٹکرانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔۔۔اور رات کی بھیانک تاریکی میں وہ جھینگروں کے ڈراؤنے گیت اور غیر شاعرانہ راگ، سانپوں کی خطرناک سرسراہٹ کی آواز ننھی ندی کے اطراف جھاڑیوں کی ہواؤں میں جل جل کر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے وحشی راگ ہواؤں میں گونج رہا ہو۔شاعر ایسی جگہ کبھی سکون حاصل نہیں کر سکتا۔'' (156)

حجاب کا نقطہء نظر یہ ہے کہ سکون کے لیے سمندر کے کناروں سے بہتر جگہ کوئی نہیں۔سمندر کے چمکیلے کناروں اور جگمگاتی فضا پر ایک افسانوی سکوت اور فلسفیانہ خاموشی طاری ہوتی ہے۔وہ یہ بھی رائے رکھتی ہیں کہ سمندر کا کنارا ایسی جگہ ہے جو افسانوی زندگی کے شیدائیوں اور خواب پرستوں کو زندگی کی تکالیف اور پریشانیوں سے نجات دلا دیتی ہے۔ان کے خیال میں سمندر کے کناروں پر حیرتیں موجود ہوتی ہیں۔جن سے شاعر اور افسانہ نگار تحریک حاصل کرتے ہیں۔اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ان کی بیش تر نگارشات شعریت سے معمور ہیں۔ادب زریں میں شامل ان کا نثر پارہ ''شاعر کی آرزوئیں'' اسی نوعیت کا نثر پارہ ہے۔چند سطور دیکھیے:

''کاش۔۔۔جب سیاہ گھٹا اپنے دامن میں مینہ کے وزنی قطروں کو لے کر نیلے آسمانوں پر چھا جاتی ہے اور بجلی کی باریک لکیر سیاہی میں تڑپ اٹھتی ہے تو میرا جی مچل جاتا ہے۔ اے کاش میں ان سیاہ بادلوں کے پیچھے جھانک آتی۔ جہاں یقیناً راز اور رومانس کی دنیا آباد ہے۔'' (157)

اس مجموعے میں شامل اگلے نثر پچے کا عنوان ''لمبا راستہ'' ہے۔اور اسے تخیلات کے ذیلی عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔اسلوب نگارش کے حوالے سے یہ بھی ایک قابل مطالعہ نثری ٹکڑہ ہے۔ایک مختصر سا اقتباس دیکھیے:

''جب پہلے پہل میں نے چلنا شروع کیا تھا تو وہ صبح کا وقت تھا۔پھولوں پر ایک تازگی اور میری روح میں ایک شگفتگی بھی ایسی۔کہ میرا خیال تھا کہ اس پر پژمردگی چھا ہی نہیں سکتی مگر میرا خیال محض ایک انسانی خیال تھا چنانچہ غلط ثابت ہوا۔کیوں کچھ دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ انگور کے باغوں اور گیہوں کے کھیتوں پر ایک تکان برس رہی ہے۔'' (158)

''آخری شام'' اس کتاب کا آخری نثر پچہ ہے۔ جسے مصنفہ نے نظم نما نثر کی ذیل میں شمار کیا ہے۔ مندرجہ ذیل پیراگراف میں تشبیہہ کی خوبصورتی اور خیال کا حسن ملاحظہ فرمائیے:

''آہ! مجھے یاد ہے ان کا چہرہ دسمبر کے کنول کی طرح سفید اور خزاں کے پتے کی طرح بے رونق ہو گیا تھا اور بھوری بھوری یاس و مایوسی جھلک رہی تھی۔ چچا نے نہایت بے لطفی اور فکر مندی کے انداز میں اپنا سگار گلاب کے گملوں میں پھینک دیا اور نرگس کے پودوں کے قریب ایک کوچ پر بے دلی۔۔۔قدرے پژمردگی سے بیٹھ گئے۔(159)

مندرجہ بالا پیراگراف میں رنگوں کی رنگ آمیزی کے ساتھ ساتھ پھولوں کی موجودگی حجاب کے مخصوص طرز نگارش کی عکاس ہے۔ مایوسی کو بھورے رنگ میں رنگ دینا حجاب کے موقلم کا کمال ہے۔ اُردو نثر کے ارتقا کے مختلف مدارج ہیں۔ان میں حجاب کی نگارشات کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اُردو نثر کو ایک معطر، خوشبودار، مخملیں اور ریشمی اسلب نگارش سے متعارف کرایا۔

خلوت کی انجمن

شعریت آمیز نثری اسلوب کی حامل حجاب کے مضامین کی تیسری کتاب کا نام خلوت کی انجمن ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو اپنے سسر سید ممتاز علی کے نام معنون کیا ہے۔ یہ کتاب دارالاشاعت پنجاب کے زیر اہتمام 1936 میں پہلی مرتبہ چھپی۔ اس مجموعہ مضامین کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حجاب نے انگریزی ادب بالخصوص انگریزی شاعری کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ ان مضامین میں ورڈز ورتھ، کیٹس، شیلے، لانگ فیلو اور شیکسپئر کے شعری حوالے موجود ہیں۔ اپنی طبعی رومان پسندی کی وجہ سے حجاب نے اس مجموعے میں بھی منظر کشی کے بہت عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ جانوروں، پرندوں، درختوں اور پھولوں کا ذکر بھی ان مضامین میں موجود ہے اور یہی ان کی پڑھت پذیری میں اضافہ کا باعث ہے۔ مجموعہ میں شامل پہلے مضمون کا عنوان ''ہر ایک کا نیا سال ہے''۔ اس مضمون میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ ہر آدمی کے لیے نیا سال نئی امیدوں نئے خدشات، نئے اندیشوں اور نئے انداز سے طلوع ہوتا ہے۔ حجاب نے اس میں رفتگاں اور موجودگان کا موازنہ بھی پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے شہر خموشاں کی انتہائی عمدہ منظر کشی

کی ہے۔ جس سے یہ عیاں ہے کہ موت نہ صرف حجاب کے افسانوں کا ایک اہم موضوع ہے۔ بلکہ یہ ان کے مضامین میں بھی اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ اس مضمون میں حجاب نے نئے سال کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور یہ بتایا کہ وہ نئے سال کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ مضمون کا آغاز عمرِ خیام کی اس بات سے ہوتا ہے:

''جب نیا سال شروع ہوتا ہے تو پرانے ارمان زندہ ہو جاتے ہیں اور خیال پرست روح خلوت میں چلی جاتی ہے۔'' (160)

اس مضمون میں قبرستان کی منظر کشی حجاب کے خوف مرگ اور احساس فنا کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ پیراگراف دیکھیے:

''کچھ دیر بعد مجھے وہ بلند اور وحشت ناک سیاہ دروازہ نظر آیا جس سے ہماری اس فانی زندگی کو ایک ابدی رشتہ ہے اور جسے نئے سال کے مسرور دن غافل انسان ایک نظر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور جس کے اندر میرے رفیق۔۔۔۔ آہ وہی رفیق جن سے صرف دو لمحہ گفتگو کرنا کبھی میرے لیے عین سبب حیات تھا۔ آج دائمی سکوت میں کھوئے ہوئے وزنی پتھروں کے نیچے مجبور پڑے ہیں۔۔۔۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس پراسرار زمین نے اپنے اندر سینکڑوں شاعروں، دنیا کے بڑے بڑے ناموروں، مشہور نقادوں، بہادر سپاہیوں، بدطینت ڈاکوؤں، رہزنوں اور قزاقوں کو چھپا رکھا ہے اور ان کے نیک و بد اعمال کا ایک گیت بنا کر دھیرے دھیرے گا رہی ہے۔'' (161)

حجاب ایک عمدہ منظر نگار تھیں۔ ان کی منظر نگاری ہمیں ان کے مضامین میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ اسی مضمون کا ایک پیراگراف منظر نگاری کے حوالے سے دیکھیے:

''کھلے ہوئے نیلگوں آسمان پر مشرقی ممالک کا گرم بڑا سا ایشیائی آفتاب بڑی تیزی سے چمک رہا تھا اور غمگین بھورے پتھروں پر زرد گلاب کی پتیاں منتشر تھیں۔'' (162)

اس مضمون میں نئے سال کے بارے میں حجاب نے ساکنان عالم ارواح، دنیا پرستوں، بہادر سپاہیوں، اپاہجوں، غافلوں اور پھر اپنے تاثرات بیان کیے ہیں۔ یہ مختلف طبقات زندگی کے نئے سال کو کس طرح مناتے ہیں۔ یہی کچھ اس مضمون میں بیان کیا گیا ہے۔ نئے سال کا آغاز ہوا تو

خود مضمون نگار نے اسے کس زاویہ نگاہ سے دیکھا مضمون کا آخری پیراگراف دیکھیے:

''میں میز کے پاس سے کتابوں کے انبار کو چھوڑ کر ہٹ گئی۔ مجھے موٹی موٹی جلدوں سے وحشت ہونے لگی جن میں علم وفن کے دریا لہریں لے رہے تھے۔ کیونکہ۔۔۔۔۔ان میں کوئی بات ایسی لکھی ہوتی نہیں تھی جو مخلوق۔۔۔۔معذور مخلوق سے ہمدردی کرنا سکھاتی۔ ان میں حسن وعشق کے رومان تھے۔ سائنس کے جدید تجربات تھے، فلسفے کی دقیق بحثیں تھیں۔ سب بے فائدہ فضول، مہمل، انسان کو انسان کا ہمدرد بنانے والا کوئی نسخہ درج نہ تھا۔ میں نے ایک آہ بھری۔ دریچے کے آگے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ حنا کی میانہ قد جھاڑیوں کے پیچھے نئے سال کا سورج دم توڑ رہا تھا اور مجھے ہواؤں میں عمر خیام کی روح کی آواز اس طرح آ رہی تھی۔ نیا سال پرانی یادوں کو زندہ کر دیتا ہے اور ہماری روح گزرے ہوئے دنوں کی طرف اڑ جاتی ہے۔ یہ تھا میرا نیا سال۔'' (163)

''سردی کی ایک صبح'' (صفحہ زندگی کی مٹی مٹائی سطور) ایک افسانوی نوعیت کا ماضی پرستانہ مضمون ہے۔ جس میں حجاب کا پسندیدہ کردار جسوتی بھی موجود ہے۔ اس مضمون میں کتا، طوطا اور بلیاں بھی اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہیں۔ حجاب نے اس مضمون میں سردیوں کی ایک یادگار صبح کو یاد کیا ہے جو کہ انہوں نے اپنے تخیلاتی جزیرے کیا اس میں جسوتی کے ساتھ گزاری تھی۔

اس مجموعے میں شامل اگلے مضمون کا عنوان ''دیوانہ'' ہے۔ اس مضمون کا آغاز تین مصرعوں سے کیا گیا ہے اور اس میں حجاب نے یہ بتایا ہے کہ انہیں دیوانوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور ان کی پراسرار زندگیوں سے وہ ہمیشہ دل بستگی محسوس کرتی رہی ہیں۔

اس مضمون میں حجاب نے ایک دیوانے کی بہت سی ابنارمل حرکات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ مضمون کی ہر سطر سے تجسس عیاں ہے۔ پہلی سطر سے لیکر آخری سطر تک وہ قاری کی توجہ اپنی جانب مرکوز کیے رکھتی ہیں۔

''مردہ دوست کی آواز'' اس مضمون میں حجاب نے انسان کی زود فراموشی کو موضوع بنایا ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ مرنے والے کے ساتھ ہمارا زندگی بھر چاہے کتنا گہرا تعلق ہی کیوں نہ رہا ہو ہم اسے اس کے مرنے کے بعد آہستہ آہستہ بھلا دیتے ہیں۔ وہ ہمیں مہینوں یاد نہیں آتا۔ اس مضمون میں ایک

مرنے والی محبوبہ کے تاثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ مرنے والی اپنے محب سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

''میری موت بھی۔۔۔ آئے دن کی اموات کی فہرست میں ایک معمولی جگہ شامل کر دی گئی تھی۔ اب تو تم کبھی بھول کر بھی میرا نام نہیں لیتے تھے۔ کئی دفعہ تم اپنی موٹر میں بیٹھے قبرستان پر سے گزر گئے۔ میں منتظر تھی کہ شاید تمہیں بچھڑی ہوئی محبت کی کشش قبرستان کی طرف کھینچ لائے گی مگر آہ۔۔۔ تم قہقہے لگاتے ہوئے اس پرانی قبر پر سے گزر گئے۔ جس کے اندر تمہارا ایک پرانا محبت کرنے والا دوست بند پڑا ہے۔ ہر آدمی کا یہی حشر ہونا ہے دنیا کی محبت کی فلاسفی بس اتنی ہی ہے۔ کوئی کسی کے لیے جان سے نہیں جاتا۔'' (164)

اس مجموعے میں شامل حجاب کے مضمون ''بیمار غم'' کو کشور ناہید نے افسانہ قرار دیا ہے۔ (66) حجاب نے اپنے اس افسانہ نما مضمون میں عورت کا المیہ بیان کیا ہے۔ عورت کا المیہ اس پیراگراف کی ہر سطر سے واضح ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''اللہ! کیا مشرق میں لڑکی محض اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی خوشیوں کی بھینٹ چڑھا دی جائے؟ کیا اسے خود اپنی زندگی کے معاملے میں بھی دخل دینے کا اختیار نہیں۔ کدھر ہیں ریفارمر جو قوم کے آگے لمبی لمبی تقریریں کرتے اور قومی بہبودی قوم کا ترانہ بڑے زور و شور سے گاتے ہیں۔ سٹیجوں پر کھڑے ہو کر اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر قومی درد جتانے والے ریفارمر کدھر ہیں؟ وہ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں انہوں نے اپنی ماؤں کے لیے کیا کیا؟۔ لڑکیوں کے لیے کیا کیا؟ جو کل کی مائیں بننے والی ہیں۔۔۔ کیا وہ عورت کو قوم سے خارج سمجھتے ہیں۔ کیا قوم صرف مردوں ہی کے اجتماع کا نام ہے۔'' (165)

حجاب کی یہ تحریر یہ واضح کرتی ہے کہ وہ محض رومان اور تخیل کی ہی افسانہ نگار نہیں تھیں بلکہ ان کے ہاں ان کے کچھ افسانوں اور مضامین میں عورت کے حقوق کی پاس داری اور آزادی کا مسئلہ بڑی شدت سے اٹھایا گیا ہے۔

انسانی زندگی کے کئی پہلو ہیں۔ انسان کی زندگی میں غم اور خوشیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ راحت اور کلفت انسانی زندگی کے دو امتیازی پہلو ہیں۔ اپنے مضمون ''انسان کے دو پہلو'' میں حجاب نے

اسی کیفیت پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اس مضمون میں بتاتی ہیں کہ انسانی زندگی میں اگر ایک طرف مسرت آزادی اور روشنی ہے تو دوسری طرف موت، بیماری اور فکر ہے۔ حجاب کے تخیل پارہ ''گلاب کی سوانح عمری'' میں رومانویت اور تخیل آفرینی کا رویہ نمایاں ہے۔ یہ ایک رومانوی کہانی پر مبنی ہے اور اسے حجاب نے یونانی علم الاصنام سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس تحریر کو سرزمین گلاب پر سونے والے شاعر عمر خیام کے نام انتساب کیا ہے۔

''ایک پرانے مقام پر چند گھنٹے'' ایک مکتوب نما تحریر ہے۔ جو انہوں نے ط کے نام لکھا ہے۔ یہ مکتوب ماضی پرستانہ کیفیت کا حامل ہے۔ اس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ کچھ مقامات ہمارے اندر آباد ہو جاتے ہیں۔ اور عمر بھر ان کی یاد ہمارے ذہنوں سے محو نہیں ہوتی۔ اس تاثراتی مضمون کا یہ مختصر سا پیراگراف دیکھیے :

''ایک چھوٹی سی دیوار کے پاس کھڑی ہو کر میں بغور اس عمارت کو پاگلوں کی طرح تکنے لگی• وہ پرانے دریچے۔۔۔ وہ قابل محبت سبز دروازے۔۔ وہ مانوس برآمدے۔ وہ صحن۔۔۔ وہ دیواریں۔۔۔ پرانے مردہ خواب زندہ ہونے شروع ہوئے۔۔ سلورٹن کی دیواروں اور درختوں پر دھوپ کا عکس اس طرح پڑتا تھا۔ جیسے آج سے چھ سال پہلے پڑتا تھا۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ واقعی انسان کو اینٹوں اور پتھروں سے بھی شدید محبت ہو سکتی ہے۔'' (166)

خلوت کی انجمن کا آخری مضمون ''عورت کی سوانح عمری'' ہے۔ یہ عورت کی حمایت میں لکھا ہوا مضمون ہے۔ اور اس میں صنف نازک کا موقف اور مقدمہ نہایت موثر اور مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

Weomen Lib کے حوالے سے عالمی سطح پر جو تحریکیں اس وقت برسر عمل ہیں۔ ان کے لیے اس مضمون میں ٹھوس مواد ہے۔ اس مضمون کا انداز اور اسلوب نگارش خواجہ حسن نظامی کے اسلوب تحریر سے مشابہہ ہے۔ یہ مضمون عورت کی زبانی عورت کی کہانی ہے۔ عورت کی آزادیوں کے حوالے سے اس مضمون کا یہ پیار گراف دیکھیے :

''عورت مرد سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہے آج میں اپنی صدیوں کی نیند سے آنکھیں ملتی ہوئی

بیدار ہو چکی ہوں۔ آج میں نے تمہارے فریب کو پہچان لیا۔ آج میں نے غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ میں نے مجرموں کی طرح چہرہ چھپانا اپنے خلاف شان سمجھا اور تمہارے دیے ہوئے نقاب کی دھجیاں کر ڈالیں۔ آج میں تمہارے سامنے اس لیے آئی ہوں تا کہ تم پر اچھی طرح جتادوں کہ اب مجھ پر تمہارا جادو نہیں چل سکتا۔ تمہاری حکومت کے دن گئے۔ اب یہ میرا زمانہ ہے۔۔۔۔ایک بات میں تم پر اچھی طرح واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تم سے کسی طرح کم تر نہیں۔ کم تر ہونا ایک طرف رہا ہر اعتبار سے تم سے برتر ہوں۔'' (167)

اس مضمون میں حجاب نے عورت کے ایثار اور قربانیوں کی بہت سی نا قابل تردید مثالیں پیش کی ہیں اور ہر حوالے سے عورت کو تہذیب و معاشرت کا نگہبان ثابت کیا ہے۔ وہ عورت کو ہر حوالے سے مرد کے برابر قرار دیتی ہیں اور اس امر کا اظہار کرتی ہیں کہ عورت کسی شعبے میں بھی مرد سے پیچھے نہیں ہے۔ وہ اپنے حوالے سے لکھتی ہیں:

''ابھی حال ہی میں میں نے صحرائے اعظم کا تن تنہا ہوائی سفر کر کے نسوانی جرات اور دلیری کی ایسی زندہ مثال قائم کر دی ہے۔ جس پر میرے دشمن بھی عش عش کرنے لگے۔'' (168)

انہوں نے اپنے اس مضمون میں اسلامی اور عالمی تاریخ سے ایسے واقعات پیش کیے ہیں جن میں عورت کی شجاعت، دلیری، وفا اور غیر معمولی محبت عیاں ہوتی ہے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے ایک زریں قول کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''عرب کا وہ مشہور برگزیدہ انسان جو دنیا کا سب سے بڑا پیشوا ہے۔ اپنی محبوب بیوی خدیجہ کے اوصاف سے متاثر اور بے تاب ہو کر اعتراف کرتا ہے دنیا میں مجھے تین چیزیں محبوب ہیں نماز، عورت اور خوشبو۔'' (169)

حجاب کا یہ مضمون ان کی انشا پردازی کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنے موقف کے حق میں دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔

نغمات موت، ادب زریں اور خلوت کی انجمن میں شامل بیشتر مضامین نثر لطیف یا حجاب کے الفاظ میں نظم نما نثر کے زُمرے میں آتے ہیں۔

ناولٹ /ناول

ظالم محبت

ظالم محبت اپنے اختصار، محدود کینوس، سادہ پلاٹ، واقعات اور سادہ کردار نگاری کے حوالے سے یقیناً ایک ناولٹ ہے۔ یہ ناولٹ پہلی مرتبہ دارالاشاعت پنجاب کے زیر اہتمام 1940 میں چھپا۔ بعد ازاں 1952 میں دوبارہ اسی ادارے نے یہ ناولٹ چھاپا۔ تیسری مرتبہ 1967 میں یہ ناولٹ آئینۂ ادب لاہور نے شائع کیا۔ 1983 میں ادارہ تاج اور حجاب نے یہ ناولٹ شائع کیا اور آخری مرتبہ 1990 میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیرِ اہتمام چھپا۔

حجاب نے اپنے اس ناولٹ کو جلال الدین رومی کے ان اشعار سے معنون کیا ہے:

شاد باش اے عشق خوش سودای ما
اے طبیب جملہ علت ہائی ما
اے علاجِ نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اس ناولٹ کا مقدمہ سید سجاد حیدر یلدرم اور فلیپ فیض احمد فیض نے تحریر کیا۔ سید سجاد حیدر یلدرم ناولٹ کے مقدمہ میں حجاب کے فن کے بارے میں اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"حجاب کے تخیل نے ایک نئی دنیا خلق کی ہے اور اس دنیا میں ایک نئی اور نہایت دلکش مخلوق آباد کی ہے۔ یہ دنیا اس دنیا سے جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں علیحدہ ہے۔ گو اس سے ملتی جلتی ہے اور جو لوگ اس میں آباد ہیں وہ ہم سے مشابہہ تو ضرور ہیں مگر بالکل ہماری طرح نہیں۔ یوں سمجھئے کہ یہ ایک دائمی قوس قزح، دائمی رنگ و بو، دائمی حسن و عشق کی دنیا ہے۔" (170)

ناولٹ کے فلیپ پر فیض احمد فیض نے لکھا ہے:

''بیگم حجاب امتیاز علی کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اب تک کسی نے اُن کے رنگ میں لکھنے یا اُن کے مرغوب افسانوی میدان میں اُترنے کی جسارت نہیں کی۔ چنانچہ ہمارے افسانوی ادب میں اُن کے مخصوص اسلوبِ تحریر کا دبستانِ واحد اُنہی کی ذات ہے۔'' (171)

ظالم محبت بیانیہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ ناولٹ کے پہلے سترہ ابواب تک ناولٹ نگار یعنی روحی واحد متکلم کے طور پر کہانی بیان کرتی ہیں اس کے بعد آٹھ ابواب کی کہانی منصور کی زبانی ہے۔ چھبیسویں باب سے ناولٹ نگار یعنی روحی دوبارہ ناولٹ کی کہانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے واپس آ جاتی ہے۔

ناولٹ کی کہانی کے آغاز میں ہی ناولٹ نگار ہمیں تمام کرداروں سے متعارف کرا دیتی ہیں۔ ناولٹ کی کہانی کا آغاز منیر کے حادثے کی خبر سے ہوتا ہے۔ دادی زبیدہ، روحی اور جسوتی منیر کی مزاج پرسی کے لیے روانہ ہوتی ہیں۔ یہاں سے ہی اس ناولٹ میں تجسس کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ناولٹ نگار آیندہ سطور میں رونما ہونے والے واقعات کے لیے عقلی جواز فراہم کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہیں۔

منیر نواب لوش کا بھتیجا تھا، جسوتی بچپن سے اس کے ساتھ منسوب کی گئی تھی۔ وہ دس برس تک تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان میں مقیم رہنے کے بعد وطن واپس لوٹا تھا۔ ریاست کیباس کی انتظامی ذمہ داریاں اس کے سپرد ہونے والی تھیں۔ اسی دوران کار کے ایک حادثے میں وہ زخمی ہو گیا۔ کیباس کے قصر عشرت سے منصور نے حادثے میں اس کے زخمی ہونے کی خبر بذریعہ ٹیلی گرام دی۔

کیباس میں منیر کی عیادت کے دوران جسوتی اور منصور کی ملاقات ہوتی ہے۔ منصور کا تعارف یہ ہے کہ وہ منیر کا بچپن کے زمانے کا دوست ہے۔ وہ انگلستان سے طب کی تعلیم مکمل کر کے آیا ہے۔ منصور حسن و جمال کا دیوتا ہے وہ بلند قد قامت، گلابی رنگت، نیلی اور فیروزی رنگ کی مسکراتی آنکھوں ستواں ناک اور نمایاں تھوڑی رکھنے والا خوبصورت نوجوان ہے۔ روحی بتاتی ہیں کہ منصور اور منیر کی گہری رفاقت کا آغاز اس زمانے میں ہوا تھا جب منصور دادی زبیدہ کی زیرِ نگرانی چلنے والے ایک یتیم خانے میں پڑھتا تھا۔ منصور کو منیر کی خواہش پر دادی زبیدہ قصر عشرت لے آئی تھیں۔ اور اسے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی تھیں۔ دادی زبیدہ اسے عموماً پیار سے سنہری بالوں

والا ہیرو کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ جس دور میں منیر کو تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان بھیجا گیا تھا تو اسی زمانہ میں منصور بھی اس کے ساتھ گیا تھا۔ یہ دونوں دوست ایک دوسرے کے بغیر ایک پل بھی نہیں گزار سکتے تھے۔ انگلستان سے واپسی پر منصور نے ایک شہر مکنوری میں پریکٹس شروع کر رکھی تھی۔ اتفاق سے جن دنوں منیر کی کار کو حادثہ پیش آیا منصور کیباس میں موجود تھا۔ روحی ناول کی کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بتاتی ہیں کہ نواب لوٹ کی خوبصورت اور پری جمال بھتیجی جسوتی منیر کی منگیتر تھی۔ منیر شروع سے ہی اسے شدت سے چاہتا تھا۔ جسوتی بھی منیر کو اس کی خوش اخلاقی اور شستہ طبیعت کی وجہ سے پسند کرتی تھی۔ لیکن اسے منصور سے گہری محبت تھی۔ اور وہ خاندانی روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس سے ہر قیمت پر شادی کرنے کی خواہش مند تھی۔ منصور نے اس کی محبت کو قابل توجہ نہ سمجھا کیونکہ وہ اپنے مربی لوٹ خاندان کو تباہ و برباد ہوتے گوارا نہیں کر سکتا تھا اور نہ اسے یہ گوارا تھا کہ اپنے عزیز دوست منیر کی محبوب اس سے چھین لے۔ اس کے دل میں یقیناً جسوتی کی محبت موجود تھی لیکن اپنے دوست کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے اس نے ہر موقع پر جسوتی کی دل شکنی کی۔ اس نے منیر کی دوستی پر اپنے قلبی جذبات کو قربان کر دیا اور اس مسئلہ کو بلا تاخیر ختم کرنے کے لیے روحی سے شادی کی درخواست کی۔ دوسری جانب صورت حال یہ تھی کہ روحی سر ہارلی سے محبت کرتی تھی۔ مزید یہ کہ وہ اپنی عزیز سہیلی جسوتی کی نظروں میں بھی معتوب نہیں ہونا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے منصور کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ جب جسوتی نے منصور پر دباؤ ڈالا تو منصور نے واضح طور پر جسوتی کو مسترد کر دیا۔ ایک افسوس ناک مکالمے کے بعد منصور اور جسوتی میں جدائی ہو گئی۔ جسوتی نے منصور کا فیصلہ بادل نخواستہ قبول تو کر لیا لیکن اس کے دل میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس واقعے کے بعد منصور ذہنی صدمے کی وجہ سے بیمار پڑ گیا۔ روحی اور جسوتی کو چچا لوٹ نے اپنی نہر عطوس والی کوٹھی میں بھیج دیا۔ چچا لوٹ کا خیال تھا کہ وہاں کے خوبصورت، دل کش مناظر اور مکمل سکون کی کیفیت جسوتی کی صحت پر اچھے اثرات ڈالے گی۔ کیباس سے یہ جگہ تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر تھی۔ چچا لوٹ ڈاکٹر گار، منیر یا دادی زبیدہ کبھی کبھی وہاں اس سے ملنے چلے جایا کرتے تھے۔ اسی دوران ایک روز منیر نے روحی کو بتایا کہ منصور ٹی بی جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس پر اکثر اوقات مایوسی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ چند دنوں کے بعد جب روحی کیباس گئی تو اس نے دیکھا کہ منصور سوکھ کر ہڈیوں کا پنجر

بن چکا تھا۔ اسے دورے پڑنے لگ گئے تھے۔ بے ہوشی کے ان دوروں کے دوران وہ اکثر وبیشتر جسوتی کو پکارتا رہتا تھا۔ اسے وہاں ایک الگ کمرے میں رکھا گیا تھا تا کہ محل کے ملازمین کو اس بات کی خبر نہ ہو۔ روحی سے ملاقات کے دوران منصور نے جسوتی کے نام پیغام بھجوایا کہ وہ صرف ایک مرتبہ اسے آ کرمل جائے۔ مگر جسوتی نے کبھی اس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر منیر نے روحی سے درخواست کی کہ وہ ایک مرتبہ جسوتی کو قصرِ عشرت لے چلے تا کہ اس کا بیمار دوست شفایاب ہو سکے بڑی مشکل سے ایک روز منیر جسوتی کو اس سینی ٹوریم لے گیا جہاں منصور زیرِ علاج تھا۔ یہ منصور کی زندگی کے آخری لمحات تھے جب روحی، جسوتی اور منیر اس کے پاس پہنچے تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ منیر اور جسوتی کو بے حد رنج ہوا۔ منیر نے اپنا ایک عزیز دوست، جبکہ جسوتی نے اپنا بہت ہی پیارا محبوب کھو دیا تھا۔ یہ اس ناولٹ کی تلخیص ہے۔

ناولٹ کا پلاٹ ایک سیدھے سادے رومانوی قصے پر مبنی ہے۔ روحی کی زبانی ناولٹ کی کہانی آگے بڑھتی ہے تاہم کہیں کہیں ان کی بے جا مداخلت کہانی کے تاثر میں کمی کا باعث بھی بنتی ہے۔ دو دوستوں کی گہری محبت اور ایک دوسرے کے لیے اپنی مشترکہ محبوبہ کو قربان کر دینے کا جذبہ ناولٹ کا مرکزی خیال ہے۔ پلاٹ میں اس وقت دلچسپی اور دل کشی پیدا ہو جاتی ہے جب جسوتی منصور سے محبت کا آغاز کرتی ہے۔ دوسری طرف منصور بھی جسوتی کے لیے محبت کے فراواں جذبات اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ دراصل منصور دادی زبیدہ اور منیر کا ممنون احسان ہونے کی وجہ سے جسوتی سے محبت کے جذبات کا اظہار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے اسے ہر قیمت پر منیر کے جذبات کا احترام مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ روحی سے رشتے کی درخواست کرتا ہے منصور کی یہ بات سن کر روحی حیران وششدر رہ جاتی ہے۔ اس ناولٹ کے پلاٹ کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں کوئی بحث بھی بے عمل اور نامناسب نہیں ہے ناولٹ میں جشن کی رات کے زیرِ عنوان جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بڑا معنی خیز ہے اس میں منصور اور جسوتی کے مابین بڑی فیصلہ کن طویل بحث ہوتی ہے۔ اس بحث سے متعلق درج ذیل پیراگراف اہمیت کا حامل ہے:

"بڑی دیر بعد جسوتی نے کہا آپ نے جواب نہیں دیا؟ تو اس کے معنی یہ کہ میں اپنی محبت

واپس لے لوں! اچھا مجھے آپ کی خوشنودی ہر طرح منظور ہے۔ مجھے دنیا کی تمام چیزوں میں ایک ہی چیز محبوب تھی اور وہ آپ تھے۔ اچھا تو آپ اطمینان رکھیں میں اپنی محبت واپس لیتی ہوں۔ یہ خواب ہمیشہ کے لیے ٹوٹ رہا ہے۔ گلاب کو ایک دفعہ شاخ سے جدا کر کے پھر واپس ٹہنی سے لگانے کی کوشش بیکار ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ عورت ایک ہی دفعہ محبت کرتی ہے اور عورت کی محبت میں ہمیشگی کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ مقولے غلط صریحاً غلط ہیں۔ یا یوں کہیے آپ جیسے احمق مردوں نے محض اپنی تسکینِ خاطر کے لیے مشہور کر رکھے ہیں۔ اسی جھوٹے اور بے معنی زعم کے بھروسے عورت کی محبت کو تم لوگوں نے کھلونا سمجھ لیا ہے۔ مگر بدنصیب، بے وقوف شخص! یاد رکھنا زندگی میں ایک ہی دفعہ محبت کرنے والی رحمدل اور بقول تم لوگوں کے وفادار عورت ۔۔ جب آتش کدہ دل میں انتقام کے شعلے بھڑکاتی ہے تو اپنی مشہور عالم رحمدلی اور وفاداری سے دستبردار بھی ہو سکتی ہے اور زندگی میں ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ محبت کر سکتی ہے۔ مقابلہ پر آ جائے تو مرد سے زیادہ ظالم اور ہرجائی ثابت ہو سکتی ہے اور کون نہیں جانتا کہ عورت بہترین نقال ہے۔" (172)

حجاب نے ناولٹ کے پلاٹ کو جن بنیادوں پر استوار کیا ہے اس میں سب سے اہم بنیاد جسوتی اور منیر کی زندگی میں منصور کی مداخلت ہے اس مداخلت سے جس کشمکش کا آغاز ہوا ہے اسے مصنفہ نے کہانی میں مرکزی حیثیت دی ہے۔ معاشرہ اس کی روایات اور شادی بیاہ کے مسائل پلاٹ کی بُنت کا اہم حصہ ہیں۔ ناولٹ نگار نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جب محبت عام معاشرتی اصول اقدار اور سماجی قوانین سے ٹکراتی ہے تو اس ٹکراؤ سے محبت کو شکست ہوتی ہے۔

منصور منیر کے بے پناہ احسانات کی وجہ سے جسوتی کی محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود سماجی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے اسے ہر جگہ نظر انداز کرتا ہے اور اس امر کے لیے کوشاں نظر آتا ہے کہ جسوتی کو منیر کی طرف مائل کرے۔

کسی کردار کے جذبات کی بہترین ترجمانی آسان کام نہیں ہے۔ قلم پر پختہ گرفت کے بغیر جذبات نگاری کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہوتا۔ حجاب نے ظالم محبت میں بہترین جذبات نگاری کی ہے۔ انہوں نے اس ناول میں دو محبت کرنے والے دھڑکتے دلوں کے جذبات کی کیفیت کو حقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس ناولٹ کے حوالے سے حجاب کی جذبات نگاری کی کچھ مثالیں دیکھیے:

''میں نے مڑ کر جسوتی کو دیکھا مرجھائی مسکراہٹ اس کے گلابی ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ مسکراہٹ جس میں نہ جوش و ولولہ تھا نہ اضطرار و شادمانی! کچھ حسرت مضمر تھی، کچھ گھبراہٹ۔''(173)

یہ دوسری مثال دیکھیے:

''یہ سن کر ایک خشک ہنسی کے ساتھ انہوں نے کہا! جب محبت اداس ہوتی ہے تو دنیا اداس ہو جاتی ہے۔ زندگی افسردہ نظر آتی ہے۔۔ یہ کہتے ہی وہ مڑ گئے اور محل کی طرف چلے گئے۔''(174)

رنج وغم ایک فطری جذبہ ہے۔ جب بھی کسی انسان کو رنج وغم کی کیفیات کا سامنا ہوتا ہے۔ تو وہ فطری طور پر اس کے گہرے اثرات قبول کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ مثال دیکھیے:

''دونوں مرحوم کے سرہانے یوں کھڑے تھے جیسے زندگی نے ان کا سب کچھ لوٹ لیا ہو۔ وہ روح جسدِ خاکی سے پرواز کر گئی تھی جس کے دونوں عاشق تھے۔''(175)

حجاب کے افسانوں کے ساتھ ساتھ ان کے اس ناولٹ پر بھی ان کی رومانویت کے گہرے اثرات موجود ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش رومانوی اور طلسماتی ہے۔ اس ناولٹ کا موضوع یعنی عشق ومحبت واضح طور پر ایک رومانوی موضوع ہے اس ناول کے کرداروں روحی اور جسوتی کا بے مثال رومانی مزاج اور رومانوی اندازِ حیات حجاب کی رومان نگاری کا ہی نتیجہ ہے۔ حجاب نے اس ناول میں خادماؤں کے جو نام لکھے ہیں ان کے ناموں سے بھی مصنفہ کی رومانویت کا سراغ ملتا ہے۔ ناول میں مناظرِ فطرت اور مکالمہ نگاری بھی حجاب کی رومانوت کی دلیل ہے۔ ناول کا اسلوب رومانوی اور شاعرانہ ہے۔

یہ ناولت قارئین کو اپنی انوکھی طلسمانی اور رومانوی پراسرار فضاؤں میں لے جاتا ہے۔ اس انوکھی طلسماتی فضا میں ہر چیز پر مبالغہ آرائی اور شاعری کا رنگ غالب ہے۔ ڈاکٹر میمونہ انصاری نے اس ناول پر اپنی تنقیدی رائے ان الفاظ میں دی ہے:

''حجاب کا مشہور ناولٹ ظالم محبت 1940 میں شائع ہوا۔ گویا حسن ورعنائی سے لبریز دنیا وہ اس وقت تخلیق کر رہی تھیں جب ان کے ہم عصر افسانہ نویس انگارے جیسی تصنیف میں ٹھوس اور تلخ حقائق کو واشگاف کر رہے تھے۔ جس وقت فن میں عریانی اور بے باکی

نے نیا نیا قدم رکھا تھا۔ فحاشی اور عفونت سے حواس معطل ہوئے جا رہے تھے۔ اس وقت وہ سرو و شمشاد سے گھری ہوئی نکہت بار فضاؤں میں محوِ گلگشت تھیں۔ نرم و نازک پرندوں کے شیریں نغمات فردوسِ گوش بنے ہوئے تھے اور وہ تخیل کے ذریعہ فرانسیسی دریچوں میں بیٹھی ہوئی سمندر کا نظارہ کرتی تھیں۔۔۔ جس وقت زندگی کے تضاد نے رُخ کو بے نقاب کرنے کے لیے ادیب ایسے مضطرب ہو گئے تھے کہ ادب کا مخصوص لطیف توازن بھی قائم نہ رکھ سکے۔ ایسے نازک دور میں حجاب کے موئے قلم کی چابک دستی نے زندگی کے اس کریہہ پہلو کو چھپانے کے لیے ایسے حسین، خوبصورت رنگین اور دل آویز نقوش استعمال کیے کہ زندگی اور بھی پُرکشش ہو گئی۔" (176)

اندھیرا خواب

ناولٹ ظالم محبت کے بعد حجاب کا ناول اندھیرا خواب اشاعت پذیر ہوا اور پہلی مرتبہ اگست 1950 میں دارالاشاعت پنجاب لاہور کے زیرِ اہتمام چھپا۔ دوسری مرتبہ 1967 میں آئینہ ادب لاہور نے اور تیسری مرتبہ 1991 میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے چھاپا۔ اس ناول کے پہلے ایڈیشن کا انتساب یاسمین کے نام تھا اور اس کے نیچے یہ تحریر درج کی گئی تھی۔ تمہارے نام میں میرے لیے تین حسن ہیں پھول۔۔۔ موسیقی۔۔۔ چاند کی رات۔ دوسرے ایڈیشن کا انتساب مہران طاہر کے نام ہے۔ اور اس انتساب میں یہ تحریر دی گئی ہے۔ یہ کتاب میں پیارے مہران طاہر کے نام معنون کرتی ہوں۔

اس ناول کا دیباچہ ڈاکٹر آئی۔ اے۔ لطیف ڈائریکٹر ادارہ معالجہ نفس نے تحریر کیا ہے۔ دوسرے ایڈیشن کے صفحہ 15 پر ماضی وحال کے عنوان سے قتیل شفائی کے یہ دو شعر درج ہیں:

آغاز کے گاتے لمحوں کی اب ذہن میں گونج نہیں باقی
بے کیف سا ہے انجام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
مدہوشی میں احساس کے اونچے زینے سے گر جانے دے
اس وقت نہ مجھ کو تھام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

پہلے ایڈیشن میں یہ دو شعر شامل نہیں ہیں۔ ناول دو حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصے میں ذیلی عنوانات بھی دیئے گئے ہیں۔ اس طرح کل 33 ذیلی عنوانات بن جاتے ہیں

یہ ناول اپنی مخصوص طلسماتی نفسیاتی فضا کے لحاظ سے حجاب کے پہلے ناولٹ ظالم محبت سے فنی لحاظ سے کئی گنا آگے ہے۔ اس ناول کی کہانی صوفی کی شخصیت کے اردگرد گھومتی ہے۔ صوفی دادی زبیدہ کی چھوٹی بہن بلقیس مرحومہ اور نواب ہارون کی بیٹی ہے۔ نواب ہارون شرابی کبابی اور ایک عیاش آدمی تھے۔ وہ عموماً مدہوشی کے عالم میں اپنی بیوی پر دست درازی کرتا ہے۔ غصے کی کیفیت میں اس کی انگارے جیسی دہکتی آنکھیں بڑی خوف ناک معلوم ہوتی ہیں۔ یہ دو سرخ آنکھیں صوفی کی یادوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئی ہیں۔ بچپن کی اسی نوعیت کی نفسیاتی اذیتوں کی وجہ سے صوفی ذہنی طور پر بیمار ہوگئی ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ صوفی کے والدین کا اس کے بچپن میں انتقال ہوگیا تھا۔ اور اس کی پرورش دادی زبیدہ نے کی تھی۔ دادی زبیدہ دراصل روحی کی پھوپھی ہے۔ جسے خاندان والے دادی کے نام سے پکارتے ہیں۔ بچپن میں باپ کی محبت سے محرومی کی وجہ سے صوفی ایک ذہنی مریضہ بن چکی ہے۔ یہ پیاس اور محرومی جوانی میں بے یقینی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسے اپنے کزن اور منگیتر ریحانی سے محبت ہے لیکن اس محبت میں غیر یقینی کی کیفیت موجود ہے۔ اسے ریحانی سے بچھڑ جانے کا لاشعوری خوف ہے کیونکہ بچپن میں اس کا باپ بھی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس لیے وہ رحانی پر اعتماد نہیں کرتی۔ ریحانی جب محاذ جنگ پر زخمی ہو کر ہسپتال چلا جاتا ہے اور صوفی کو خط نہیں لکھ سکتا تو وہ اسے محبت کا خاتمہ سمجھتی ہے اور یہ خیال کرتی ہے کہ وہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک اجنبی شرابی انجم سے تعلقات استوار کر لیتی ہے۔ دراصل یہ بچپن کی تشنگی ہے جو صوفی کی شخصیت میں بے سمتی کا سبب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے منگیتر کو چھوڑ کر اب ایک شرابی انجم کے دام الفت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اس میں اسے اپنے باپ کا عکس دکھائی دیا ہے کیونکہ اس کا باپ بھی شرابی تھا اور یہی وجہ اشتراک اسے شرابی انجم کی طرف مائل کرنے کا سبب بنتی ہے۔ ایڈی پس کمپلیکس کے زیر اثر وہ اپنی ماں کو اپنا رقیب سمجھتی ہے جس کی وجہ سے اسے اپنے باپ کی محبت منقسم ہو کر ملتی رہی۔ ناول کا دوسرا اہم کردار انجم بھی ذہنی مریض ہے یہ بچپن میں اپنے باپ سے رقابت محسوس کرتا ہے جو اس کی ماں کا شراکت دار ہے۔ چنانچہ اسے اپنی ماں سے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ باپ کو قتل کر دینا چاہتا ہے۔ صوفی سے اس کے تعلقات استوار ہوتے ہیں تو وہ اپنی بچپن کی محرومیوں سے عارضی طور پر نجات حاصل کر لیتا ہے۔ بعد ازاں صوفی اس کی جانب بے توجہی کا رویہ اختیار کرنے لگتی

ہے چنانچہ صوفی کی بے وفائی انجم کو ایک بار پھر جرم اور گناہ کی دلدل میں دھکیل دیتی ہے۔
بحیثیت مجموعی یہ ناول نفسیاتی الجھنوں، بچپن کی محرومیوں اور فقدانِ محبت کے مریضوں کی کہانی ہے۔ اس ناول کا اختتام بھی ظالم محبت کی طرح المیہ ہے۔ ظالم محبت میں منصور مر جاتا ہے اور اپنے پیچھے ایک پر نہ ہونے والا خلا چھوڑ جاتا ہے جبکہ اندھیرا خواب میں انجم صوفی کے سفاک رویے کی وجہ سے بارِ دگر گناہ کی دنیا کا رخ کر لیتا ہے۔

حجاب کا ناول اندھیرا خواب بلاشبہ اُردو کے نفسیاتی ناولوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔ انہوں نے ناول کے دو کرداروں صوفی اور انجم کے ذریعے کہانی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ روحی اور گار نے ان کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے اور روحی کی زبانی کئی نفسیاتی حقائق سامنے آئے ہیں۔

اُردو ادب کے معروف نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ نے اندھیرا خواب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ ناول تحلیلِ نفسی کی ایک کامیابی کوشش ہے۔ نفسِ انسانی کے باطنی عوامل کی سراغ رسانی ایک علم بھی ہے اور ایک کہانی بھی۔ علم کو کہانی کے رنگ میں ڈھالنے کا فن ہمارے ہاں ابھی عام نہیں شاذ ہے۔ حجاب نے علم و فن کے اس امتزاج سے فن اور علم دونوں کو وسعت دی ہے۔" (177)

رفیق خاور نے اندھیرا خواب پر ایک تفصیلی تنقیدی تجزیہ قلم بند کیا۔ یہ تجزیہ ہمہ جہت اور جامع ہے۔ آیندہ سطور میں ہم اس تجزیے کی اہمیت کے پیش نظر اسے یہاں بعینہٖ درج کرنا چاہیں گے:

"تحلیل نفسی کے فروغ نے دورِ حاضر میں ناولوں کا ایک نیا طریقہ پیدا کیا ہے۔ جس میں خارجی کوائف کی بجائے داخلی واردات سے کردار نگاری کی جاتی ہے اور انسانی فطرت کی گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں۔ یہ ناول اسی طرز کا آئینہ دار ہے اور اس کا نام ہی اس کی مکمل تشریح ہے۔ ہم اس میں شروع سے آخر تک ایک زیرِ نفسی بُھول بھلیاں میں گم نظر آتے ہیں۔ کردار نگاری کا یہ موضوعی طریقہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے لیکن اس میں بھی وہی خرابی ہے جو کسی نظریے کا پابند ہونے سے ہوا کرتی ہے یعنی واقعات نظریے کے تابع ہو جاتے ہیں اور حقیقت قیاسات میں کھو جاتی ہے۔

اس ناول میں ایک نیوراتی لڑکی صوفی کو زیرِ نفسی الجھاؤ میں مبتلا پیش کیا گیا ہے۔ افسانہ نویسی کے اعتبار سے مسئلہ یہ تھا کہ اسے بالواسطہ پیش کیا جائے یا بلاواسطہ یعنی صرف صوفی

کا نفسی اندھیرا بھی ایک طرح کا افسانہ بنے یا ماحول اور دوسرے کرداروں کے ساتھ مل کر سچ مچ کا افسانہ بن جائے۔
ناول میں یہی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے روحی کو زبردستی ایک ہمہ داں شارح کی حیثیت سے داخل کرنا پڑا وہ پلاٹ کی مشکلات کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور بس وہ غیر ارادی نفسیات کے متعلق اپنی معلومات کو جا بجا بکھیرتی جاتی ہے جس سے ناول علم النفس پر ایک طویل لیکچر بن گیا ہے۔ ساری کہانی ایک کیس ہسٹری معلوم ہوتی ہے۔ بااین ہمہ چند باتیں ایسی ہیں جو اسے محض علمی و نفسی ہونے سے بچالیتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم صوفی کا کردار ہے۔ اگر ان تمام مقامات کو جو اس کے الجھاؤ کا باعث قرار دیے گئے ہیں باور کرنا مشکل ہے پھر بھی اس کے ماتحت وہ جو کچھ کہتی ہے کافی دلچسپ اور یقین انگیز ہے۔ خاص طور پر وہ عجیب افتاد جو آخر میں آپڑتی ہے اور پلاٹ کو اچانک اٹھا کر کہیں سے کہیں لے جاتی ہے۔ اس طرح ناول میں گہرا اثر پیدا ہوتا ہے۔
ناول کا ماحول بھی خاصا اہم ہے۔ ایک ضرب المثل کی حد تک امیر گھرانے میں کیا کیا بوالعجبیاں ہوتی ہیں اور انسانی فطرت کیا کیا اینچ پیچ پیدا کرتی ہے۔ اس کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ سنجیدگی اور ظرافت آپس میں گھل مل گئے ہیں۔
تجزیہ نفس کا کھیل داستانی بلکہ طلسماتی کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ عنوانات میں بھی پرانی وضع کے رومانوں کا تھیٹریکل انداز ہے جس میں جا بجا سستے اشعار برتے جاتے ہیں۔ بعض جگہ ان اشعار، الفاظ اور فقروں پر ردِعمل جھنجھلاہٹ اور تضحیک کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ ناول میں حکومت کی جو انجمن آراستہ کی گئی ہے وہ فسانہ عجائب اور طلسم ہوشربا سے کم نہیں۔ کرداروں کے پردے میں افسانہ گو کا ظہور اور لمبی لمبی تقریریں اور بحثیں ایک بہت پرانی تکنیک کا اعادہ ہے۔ اگر ہم ان حجابات کو طے کر جائیں اور روح افسانہ یعنی زیرِ نفسی بھول بھلیوں تک پہنچ جائیں جو مل جل کر ارتقائی حرکت پیدا کرتی ہیں تو ہم ناول میں وہ روحانی و ذوقی کیفیت پالیتے ہیں جو اس کا مقصود ہے۔'' (178)
رومانویت حجاب کے فن کی سب سے نمایاں جہت ہے۔ ان کی بیشتر تخلیقات میں ہمیں یہ کیفیت موجود نظر آتی ہے۔ اس ناول میں بھی رومانویت کی کیفیت موجود ہے۔ اس ناول کے دو

پیراگراف دیکھیے جن میں ان کی رومانویت کی جھلک موجود ہے:

''میں بولی مجھے رات میں ۔۔۔۔رات کا اندھیرا پسند ہے ہارلی۔ اس کی سیاہی کا جادو جانے مجھے کس بھولے بھٹکے خیالستان میں اٹھالے جاتا ہے کہ میں دیر تک وہاں سے واپس نہیں آتی۔ میں اندھیری راتوں کی دیوانی ہوں۔'' (179)

''آہ۔۔۔ یہ راتیں۔۔۔ یہ گرم ہوشربا ایشیائی راتیں! تپتی ہوئی مگر حسین! اکثر اندھیری مگر کبھی کبھی آفتاب کی سبز کرنوں سے منور! آسمان دم بخود اور زمین چپ چاپ! صرف ساحلی گرم ہوائیں بانس کی سربلند ٹہنیوں پر سرسراہٹ پیدا کر دیتی ہیں۔ یا کسی مہجور و ناشاد بلبل کا لرزاں نغمہ باغ کے آخری سرے پر زرد نیبو کی ٹہنی پر گونج اٹھتا ہے۔ ہارلی! یہ رات کا چپ چاپ اندھیرا مجھے ایک ایسے خواب ناک ماحول میں پہنچا دیتا ہے۔ جہاں بیٹھ کر میں بڑے شوق سے انسانی فطرت کی اُن ان دیکھی گہرائیوں اور اس کی اُن نامعلوم اور غیر محسوس شرارتوں پر سر دُھن سکتی ہوں۔ جن کے ہاتھوں آج بنی نوع انسان کٹھ پتلی کا ناچ ناچ رہا ہے۔'' (180)

حجاب نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں ماحول کی پیشکش اور فضا بندی اپنے مخصوص رومان پرور انداز میں کی ہے ناول میں بعض مقامات پر ایسے منظر پیش کیے ہیں جو بولتے دکھائی دیتے ہیں ۔حجاب منظر نگاری کے ذریعے ناول کی کہانی میں اپنے قارئین کی دلچسپی برقرار رکھنے میں کامیاب رہتی ہیں۔ وہ منظر نگاری میں لفظوں سے مصوری کرتے ہوئے رنگوں کا استعمال بہت عمدگی سے کرتی ہیں۔ اس ناول کے حوالے سے منظر نگاری کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

''وہ گرم ایشیا کی اک گہرے گلابی رنگ کی لمبی دوپہر تھی اور میں نگاہوں کو زیادہ دور دور تک پہنچانے کے لیے دریچے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ سامنے باغ کی دیوار کے اس پار سمندری موجوں میں گلابی گردنوں والے دریائی طوطے آنکھیں بند کیے ایک ٹانگ پر یوں سرنگوں کھڑے تھے جیسے فلسفہ کائنات کے کسی دقیق مسئلے پر محو فکر ہوں۔'' (181)

حجاب کی خوبصورت اور مثکلم منظر نگاری کا یہ نمونہ دیکھنے کے لائق ہے:

''حواصلوں کی قیں قیں۔۔۔ کوئلوں کی کوک یا سمین کی خنک نکہتیں ڈھلوان پہاڑیوں پر لہلہاتی گھاس اور اوپر۔۔۔ نیلم کے رنگ کا گہرا نیلا آسمان۔'' (182)

مناظر فطرت کے حوالے سے یہ اقتباس بھی لائق مطالعہ ہے:

''آفتاب کے غروب ہوتے ہی آسمان کا رنگ نہایت خوفناک تپے ہوئے تانبے کا ہوگیا۔ گرم ہوا کے جھونکے سرسرانے لگے تھے۔ میری طرح کوئل بھی سرِ شام ہی سے اُکتائی ہوئی تھی اور کسی نامعلوم جگہ پر بیٹھی زور زور سے چلا رہی تھی۔ گرمی کی شدت سے یاسمین کی کلیاں کھل گئی تھیں اور ان کی تیز نکہتیں قصرِ عشرت کے گوشے گوشے میں آوارہ تھیں۔'' (183)

حجاب کا یہ ناول بھی بیانیہ تکنیک میں لکھا گیا ہے، ہم حجاب کے اس بیانیہ کو تخلیقی بیانیہ قرار دیں گے۔ اس کی نثر سپاٹ اور بے رس نہیں ہے۔ تخلیقیت سے مملو ہے۔ مصنفہ نے ناول میں مختلف مقامات پر فلیش بیک (Flash Back) یعنی ماضی کی بازیافت کی تکنیک استعمال کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ مقامات پر تمثیلی اور علامتی انداز بھی اختیار کیا ہے۔ فلیش بیک کے حوالے سے ناول کا یہ پیراگراف دیکھیے:

''ایک تیز و تند جھونکا آیا اور کتاب زندگی کے اوراق کو الٹنے لگا۔ ماضی کا ایک صفحہ نکل آیا۔۔۔ ناشتے کی زعفرانی رنگ کی میز نے ایک کمرے کی شکل اختیار کر لی۔ سیب کے درخت آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ تمام دن کے انتظار کے بعد ایک دو سال کی بچی پر نیند کی غنودگی طاری ہونے لگی کہ اتنے میں دروازہ کھلا اور اس کے طویل انتظار کا مرکز۔۔۔ اور اس کی محبت کا موضوع ایک دبلا پتلا سا دراز قد آدمی اندر داخل ہوا۔۔۔ آرزوئیں اس کے ننھے سے دل میں کروٹیں لینے لگیں۔۔۔ اس کی زندگی میں یہ لمحہ بڑے انتظار اور بڑی آرزومندی کے بعد آیا تھا۔۔۔ وہ بے تاب ہو کر اس کے کھلے ہوئے آغوش میں جانے کے لیے مچل کر اٹھ بیٹھی کہ یک لخت کمرے کے دوسرے گوشے میں ایک حسین اور کمزور عورت نمودار ہو گئی۔ وہ مرد جو اس کی طرف ہاتھ پھیلائے آ رہا تھا۔ اسے چھوڑ کر دوسری عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آہ۔۔۔ اسے اپنی رقیبہ سے کس قدر نفرت تھی وہ چاہتی تھی کہ وہ دوسری عورت کسی طرح مر جائے اور محبت بلا شرکت غیرے صرف اس کی ہو کر رہے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس کی اور اس کے محبوب کی محبت میں یہ دوسری عورت ایک تیز تلوار کی طرح حائل رہی۔۔۔ وہ دوسری عورت۔۔۔ جسے دنیا اس

کی چاہنے والی ماں کہتی تھی۔ کیا دراصل وہ اس کی رقیب نہ تھی۔" (184)

بحیثیت مجموعی اندھیرا خواب کا پلاٹ، واقعات، اسلوب نگارش اور کردار نگاری ناول نویس کی فنی مہارت کے آئینہ دار ہیں۔ اس ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے اُردو فکشن کے ایک اہم نقاد وقار عظیم نے لکھا ہے:

"اندھیرا خواب میں ناول نگار نے اپنے محبوب پراسرار طلسمی، تخیلی اور شاعرانہ ماحول میں بھی انسانی حرکات کی گہری نفسیاتی تاویل وتوجیح کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انسانی عمل اور ردعمل محض جسمانی تغیرات کا نتیجہ نہیں ان کے پیچھے ذہنی الجھنیں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں۔ یہ ذہنی الجھنیں بعض اوقات مجموعہ ہوتی ہیں ایسی یادوں کا جو ٹھوس اور افسردہ ہوتی ہیں۔ اور دردناک اور شیریں بھی۔۔۔ انسانی زندگی میں جو چیزیں عام نظر کو معمولی معلوم ہوتی ہیں وہ بے حد اہم ہیں۔ جو ماضی مردہ اور بے جان نظر آتا ہے وہ حد درجہ جاندار اور قوی ہے اور شخصیت کے سفر میں برابر اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اندھیرا خواب کی تخیلی اور رومانی فضا کو ایک طرف سے تو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور دوسری طرف اس فضا میں پرورش پانے والے کرداروں پر اور ان کے اعمال وافعال پر فوق الانا اور فرائیڈ اور ایڈی پس کا عکس نمایاں ہے۔" (185)

ہمارے نزدیک اندھیرا خواب مطالعے، مشاہدے، تجزیے، توازن اور ترتیب کا لطیف امتزاج ہے۔ اس کی کہانی دلچسپ نفسیاتی حقائق پر استوار کی گئی ہے۔ اور ناول کی یہی خصوصیت اس کی مطالعیت کی ضامن ہے۔ حجاب کے دوسرے فن پاروں کی طرح حجاب کا یہ فن پارہ بھی فن اور فنکار کا عکس در عکس نظر آتا ہے۔

پاگل خانہ

حجاب کا ناول پاگل خانہ ان کی ادبی زندگی کا ایک اہم موڑ اور ان کے فکر ونظر میں آنے والی تبدیلیوں کا غماز ہے۔ مصنفہ کو ظالم محبت کے ساتھ ساتھ اپنا یہ ناول بھی بے حد پسند تھا۔ انہوں نے مرزا حامد بیگ کے نام ایک طویل مکتوب میں لکھا:

"مجھے اپنی کتابوں میں جو سولہ سترہ کے قریب ہیں دو بہت پسند ہیں۔ پاگل خانہ اور ظالم

محبت۔" (186)

یہ ناول سائنسی فینٹسی (Fantasy) ہے۔ اس ناول میں انہوں نے ایٹم اور نیوٹران بم کی تباہ کاریوں پر بحث کی ہے۔ یہ ایک علامتی، انتباہی اور مزاحمتی ناول ہے۔ جس میں سائنس کی تخریب کاریوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔

حجاب کا ناول پاگل خانہ ان کی تخلیقی زندگی کا ایک اہم سنگِ میل ہے۔ یہ ناول ان کی جنگ سے نفرت اور امن سے محبت کا عکاس ہے۔ انہوں نے یہ ناول گہرے مطالعہ کے بعد لکھا۔ انہیں یہ ناول لکھتے ہوئے کن مراحل سے گزرنا پڑا اس ضمن میں وہ کہتی ہیں:

"پاگل خانہ کا مرکزی خیال سائنس کے گرد بنا گیا ہے۔ اس کے باوجود میں نے کہانی کا عنصر ناول میں برقرار رکھا ہے۔ میں نے اس ناول پر بڑی محنت کی ہے کیونکہ سائنس میرا موضوع نہیں ہے اور اس لیے مجھے بہت پڑھنا پڑا۔ بلکہ میں نے اس سلسلے میں انجیل، توریت، زبور اور قرآنِ پاک کا بھی مطالعہ کیا۔ دراصل میرے ذہن میں یہ تاویل تھی کہ موجودہ دور کا تناؤ سائنسی ترقی کا نتیجہ ہے۔۔۔۔ پاگل خانہ میں نے محبت اور محنت سے لکھا جن دنوں یہ زیرِ تصنیف تھا میں دن میں آٹھ آٹھ گھنٹے کام کرتی تھی۔ یعنی صبح نو بجے سے شام کے چار بجے تک مسلسل، کھانا کھائے بغیر۔" (187)

حجاب کا یہ ناول 1980 میں پہلی مرتبہ ادارہ تاج وحجاب پھول بلڈنگ گوالمنڈی روڈ لاہور نے چھاپا۔ اس کا ٹائٹل صادقین نے بنایا۔ دوسری مرتبہ یہ ناول 1988 میں اے ون آفسٹ پرنٹرز دہلی اور آخری مرتبہ 1990 میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ ناولٹ ظالم محبت اور ناول اندھیرا خواب کے بعد تقریباً تیس سال کا وقفہ حائل ہے۔ اس ناول میں ہمیں ایک واضح موضوعاتی تبدیلی نظر آتی ہے اور وہ تبدیلی یہ ہے کہ انہوں نے تخیلاتی قصوں کو دہرانے کی بجائے جدید سائنسی نظریات پر اپنے اس ناول کی بنیاد رکھی ہے۔ اس ناول کا انتساب حجاب نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

"ان افراد کے نام۔۔۔ جو عالمی امن کے نام پر ایٹمی ہتھیاروں اور زہریلے خفیہ دھماکوں کے خلاف جہاد کرتے اور سائنس کو بنی نوع انسان کے مفاد کے استعمال کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔" (188)

مصنف کا نوٹ کے زیرِ عنوان وہ اس ناول کے نام کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''اس کتاب کا نام پاگل خانہ سوچ کر رکھا اور اس میں جو کچھ لکھا یہ میرے ذہنی اختراعات یا شاعرانہ تصورات کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ میری اور آپ بدقسمتی سے ٹھوس اور عبرت ناک حقائق کا نچوڑ اور سخت محنت اور گہری تحقیقات کا نتیجہ ہے۔'' (189)

اس ناول کا پیش لفظ گورنمنٹ کالج لاہور کے سابق پرنسپل ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے۔

اس سفر نما علامتی ناول کی کہانی تین کرداروں کے گرد بنی گئی ہے۔ یہ تینوں کردار یعنی روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی تلاش امن کے سلسلے میں اپنے گھر سے سفر کا آغاز کرتے ہیں وہ جس جہاز میں محوِ سفر ہوتے ہیں اسے فضائی رہزن اغوا کرتے ہیں۔ گویا امن کی تلاش کے اس سفر کے آغاز میں ہی انہیں امن کش اقدام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس سفر کے دوران بدقسمتی سے انہیں ہر جگہ امن شکن رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ گھر سے قتل و غارت گری، انتشار اور بدامنی، جنگ و جدل، سائنس کی تخریب کاریوں اور ایٹمی تباہ کاریوں سے بچ نکلنے کے لیے نکلے تھے۔ ناول کی کہانی انہی تین کرداروں کے مابین بحث کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ یہ تینوں کردار مختلف مزاج کے حامل ہیں۔ روحی نفسیات دان ہے اور اسے سائنس کی تخریب کاریوں کا شعور حاصل ہے۔ وہ امن کی متلاشی اور انسانیت نواز ہے۔ جبکہ ڈاکٹر گار سائنس پر دسترس رکھتا ہے۔ تاہم وہ ایک سائنس دان ہونے کے باوجود سائنس کی تباہ کاریوں سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔ شوشوئی فلسفے اور عقل کی نمائندہ ہے۔ وہ دنیا کے ہر مسئلے کو ایک عقلیت پسند کی حیثیت سے دیکھتی ہے۔ زیرِ تبصرہ ناول میں سائنس، ادب، مذہب اور سیاسیات کی بحث نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ مصنفہ نے اخباری واقعات کو بھی ناول کے پلاٹ میں شامل کیا ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ دوسری الہامی کتابوں کے حوالے بھی ناول کی کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس ناول میں ناول نگار نے اپنے مشہور افسانے فورسڈ لینڈنگ کو بھی کہانی کی بنت میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حجاب کا یہ افسانہ ان کے افسانوی مجموعہ صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان میں شامل ہے۔ اس افسانے میں پیش آنے والے واقعے کا تذکرہ کرنے کے بعد مصنفہ واقعات کا سلسلہ وہاں سے جوڑتی ہیں جہاں سے یہ ٹوٹا تھا۔ وہ اپنے کرداروں کو ایک ایسے جزیرے پر لے کر جاتی ہیں جس کی فضا اور ماحول تاب کاری کے اثرات سے مسموم ہو چکا ہے۔ اس جزیرے میں اکثر دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ وہاں کے باسیوں کا خیال یہ ہے کہ یہ دھماکے کسی جادو کا نتیجہ ہیں۔ اس جزیرے کے موسم

بھی اکثر غیر متوقع انداز میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ناول کا کردار شوشوئی بھی یہاں پہنچ کر بخار میں مبتلا ہو جاتی ہے اور کئی دنوں تک موت و حیات کی کشمکش میں گزار کر بمشکل صحت یاب ہوتی ہے۔ ناول کی کہانی میں شامل کیے جانے والے واقعات میں سے ایک واقعہ ساحلِ سمندر کے کنارے وقوع پذیر ہوتا ہے جہاں بہت سے برہنہ نوجوان شور مچاتے ہوئے ناچ رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ انارکزم کا نعرہ لگا رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کسی حکومت، کسی قانون، کسی پولیس، کسی فوج کو تسلیم نہیں کرتے اور ان تمام اداروں کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اندرونی سکون اور باطنی امن سے محروم ہیں اس لیے ان کے لیے بیرونی امن کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

ان انتشار پسندوں کے بارے میں ناول نگار کا نفسیاتی تجزیہ یہ ہے کہ یہ بغیر والدین کے جنم لینے والی نسل ہے۔ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ ان کے والدین کون تھے اس لیے وہ اس بات کا انتقام پوری دنیا سے لینا چاہتے ہیں۔ روجی (جو کہ مصنفہ خود ہیں) ان انتشار پسندوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں:

> "یاد کرو۔۔۔۔ غالباً ماؤں نے کسی جائز یا ناجائز مجبوری کی وجہ سے اندھیری راتوں میں تمہیں اکیلے بستر پر دھکیل دیا تھا اور وہ رات آج تک تمہاری زندگی پر منڈلا رہی اور تمہارا تعاقب کر رہی ہے۔ اور تم اس رات کے ظلم اور ظلمات کو دنیا پر مسلط کر کے اپنا انتقام لینا چاہتے ہو۔" (190)

یہ تینوں کردار دورانِ سفر مختلف واقعات سے دوچار ہوتے ہیں۔ ایک جگہ راستے میں ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ٹھیلے والے نے ایک خاکروب کو اپنی گاڑی کے نیچے کچل دیا۔ جب انہوں نے پولیس کو مطلع کیا تو تھانیدار نے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا۔ جب وہ ان تین کرداروں کے مجبور کرنے پر موقعہ واردات پر پہنچا تو ٹھیلے والے سے رشوت لے کر واپس چلا گیا۔ اس نوعیت کے واقعات کو دیکھتے ہوئے روجی اور اس کے ساتھی کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ دیوانے ہیں۔ اس دنیا میں محبت اور مروت کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہاں ہر شخص ہر دوسرے شخص کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے۔ ریڑھی بان یا ٹھیلے والے نے خاکروب کو محض اس لیے قتل کر دیا کیونکہ اس نے ایک روز پہلے اس کے گھر کے سامنے جھاڑو لگانے سے انکار کر دیا تھا۔

ناول کے تین کرداروں کا تلاشِ امن کا سفر رائیگاں جاتا ہے۔ یہ تینوں کردار امن کے حصول میں ناکام رہتے ہیں۔ اس سفر کے دوران شوشوئی کئی مرتبہ روجی کو یہ مشورہ دیتی ہے کہ تم اس اجنبی

ملک سے زوناش کو خط لکھو اور اسے امن کی تلاش میں ناکامی سے مطلع کرو۔ چنانچہ روحی نے زوناش کو اس کے دل پسند ناموں خرگوش کی ساس، مینڈک کی پھوپھی اور عمر خیام کی سگی بہن سے مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

''اطلاعاً عرض ہے، اب تک ہمیں امن نام کی کوئی چڑیا نہیں ملی جس کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ اگر کہیں مل گئی تو فوراً میں تمہیں کسی ذریعہ سے مطلع کردوں گی۔'' (191)

روحی یہ ضروری خط حوالہ ڈاک کر کے مطمئن ہو جاتی ہے اب اسے ڈاکٹر گار اور شوشوئی کی طرف واپس جانا ہے۔ وہ ان کی تلاش میں اسی سمت کا رخ کرتی ہے۔ جہاں وہ انہیں چھوڑ آئی تھی۔ اس موقع پر اسے جس خوفناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کرتی ہے:

''رستے میں مجھے لوگوں کے غول ملے جو دیوانہ وار چیختے چلاتے بھاگے جا رہے تھے۔ دکاندار دکانیں چھوڑ کر دکانوں کے اندر بھاگے جا رہے اور دروازے بند کر رہے تھے۔ عورتیں بچوں کو اٹھائے وحشیانہ چیخیں مارتی ہوئی دیواروں کے پیچھے چھپ رہی تھیں۔ بعض لوگ بے تحاشا درختوں پر چڑھ رہے تھے۔ میرے دائیں بائیں لوگوں کا ازدھام تھا اور بڑھتا ہی جاتا تھا۔۔۔۔۔ بظاہر یہ کسی خونخوار درندے کی آواز تھی۔ سوچنے لگی انسانی آبادی کے اس بازار میں کسی جنگلی درندے کا گزرنا ممکن ہے۔ ممکن ہے کوئی خطرناک پاگل ہو جو گلا پھاڑ کر وحشی آوازیں لگا رہا ہے۔ آج کی دنیا میں ہر ناممکن چیز ممکن ہو سکتی ہے۔ آج کی دنیا میں کسی ملک کے کمپیوٹر کی فنی غلطی سے اعلان جنگ بھی ہو سکتا ہے اور جوہری جنگ بھی چھڑ سکتی ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ خوبصورت دنیا آنِ واحد میں ختم ہو سکتی ہے۔ ایسی دنیا میں تلاشِ امن کی خواہش جائز ہے؟'' (192)

موضوعاتی پہلو سے پاگل خانہ کا جائزہ لیا جائے تو ایٹمی جنگ کی تباہ کاریاں بالخصوص تاب کاری کے مہلک اثرات اور امن کی تلاش اس ناول کا مرکزی موضوع ہے۔ پورے ناول میں جابجا تاب کاری کے مضر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ناول نگار نے تاب کاری کے اثرات بیان کرتے ہوئے اپنی مہارت اور اس ضمن میں معلومات کا عمدہ انداز میں اظہار کیا ہے۔

حجاب نے اپنے اس ناول میں انسانی ذہن کی کارکردگی پر مرتب ہونے والے تاب کاری کے منفی مضمرات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ناول کی یہ سطور دیکھیے:

''میرا مطلب ہے تاب کاری سے موسم اور انسانی دماغ اور ان کا طرزِ فکر بھی بدل جاتا ہے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب؟ ایک حد تک! ڈاکٹر نے کہا۔ پھر کہنے لگا انہیں پاگل تو نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ لوگ خاصی حد تک ہوش مندی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ دفتری کاروبار، تجارتی مسائل میں مصروف رہتے ہیں۔ تاہم ان کی صحت اور طرزِ فکر پر آب وہوا کا اثر لازمی ہے۔'' (193)

حجاب نے آج کی دنیا کو عصری مسائل کا شعور دلانے کے لیے اپنے مخصوص رومانی مزاج کے برعکس حقیقی دنیا اور اس کے سلگتے مسائل کو زیرِ بحث لانے کے لیے یہ ناول لکھا۔ اس میں آج کا تمام تر عالمی منظرنامہ سمٹ آیا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں اپنے انفرادی اور ذاتی مسائل سے بالاتر ہو کر اجتماعی طور پر اس کائنات کی بقا کے لیے لائحہ عمل تشکیل دینا ہوگا۔ مصنفہ کے نزدیک جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ اس سے انسانی زندگی کا اتلاف اور املاک کی بربادی کے علاوہ معیشت کی تباہی اور جنگ سے بچ نکلنے والی مخلوق کا نفسیاتی اختلال جس بڑے پیمانے پر ہوتا ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی ایٹمی حملوں نے انسانیت کو جن جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی صدموں سے دوچار کیا تھا اس کی تلخ یادیں ابھی تک انسانی ذہنوں میں زندہ ہیں۔

حجاب جیسی رومان نگار نے زندگی کے بدلتے منظرنامے کا یقیناً اثر قبول کیا۔ انہوں نے آج کے انسان کو درپیش سنگین مسئلے کو سمجھ کر اسے اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ انہوں نے لکھا کہ جس عہد میں زندگی کا جو رنگ ہوگا وہی اس عہد کے ادب کا ہوگا۔ وہ اسی ناول میں ایک مقام پر کہانی لکھنے کے محرکات پر روشنی ڈالتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں:

''میں انسانی دکھوں پر کہانیاں لکھتی اور ان دکھوں کی بنیادی نفسیاتی وجہ جاننے کی کوشش کرتی ہوں۔'' (194)

اس ناول کا موضوعاتی مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اس میں اپنے خیالات نہایت دانشورانہ انداز میں پیش کیے ہیں۔ اس ناول میں ہمیں وہ ایک افسانہ نگار سے زیادہ مفکر اور فلسفی دکھائی دیتی ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں انہوں نے اپنا نظریہ محبت پیش کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''دوسروں پر اعتماد کرنے میں بھی زندگی کا ایک مزہ ہے۔ خیال کرو کسی کی محبت بھری آغوش میں دم توڑنے میں جو تحفظ اور سپردگی کا اعتماد حاصل ہوتا ہے وہ کسی لق ودق صحرا

کی ریت پر تنہا لیٹے دم توڑنے میں نہیں ہوتا۔" (195)

نفسیات حجاب کا پسندیدہ مضمون ہے اس لیے وہ ہر چیز کو اسی کی روشنی میں دیکھتی اور پرکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف واقعات کے حوالے سے لوگوں کے کردار اور افعال کی تشریح بھی کرتی جاتی ہیں۔ ہوائی قزاق جنھوں نے روحی اور ان کے ساتھیوں کے ہوائی جہاز کو اغوا کیا تھا وہ ان ہوائی قزاقوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں:

"اب کہیں جا کر تمہارے اس کارنامے کی وجہ میری سمجھ میں آئی ہے۔ کیا تمہیں انسانی نفسیات سے کچھ دلچسپی ہے۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تم اپنی جبلت کے زیرِ اثر ہو۔ انسان کی دو زبردست جبلی خواہشات اقتدار اور حصول ملکیت ہیں۔ اس وقت تم نے ہم پر اقتدار بھی حاصل کر لیا ہے اور ہمیں اپنی ملکیت میں بھی لے لیا ہے۔" (196)

ایٹمی طاقتیں اپنی ایٹمی صلاحیتوں کو کمزور اقوام پر رعب جمانے کے لیے بطور حربے کے استعمال کرتی ہیں پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ نفسیاتی اصولوں کے زیرِ اثر اسلحہ کو استعمال کر کے اپنی برتری کو ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ عصرِ حاضر کی عالمی طاقت کا حالیہ طرزِ عمل مصنفہ کے اس تجزیے کا بین ثبوت ہے۔

شوشوئی کی نفسیاتی کیفیات کا تجزیہ کرتے ہوئے اسی ناول میں ایک مقام پر ناول نگار لکھتی ہیں:

"میں سوچنے لگی شوشوئی کی فطرت عجیب و غریب ہے وہ زندگی کے نشیب و فراز کو پہچانتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی زندگی کے نشیب میں کسی اجنبی کو دیکھتی ہے تو اسے صفدر سمجھ کر اپنی زندگی کے فراز پر لا بٹھاتی ہے۔ اس اجتماعِ ضدین کو نفسیاتی ماہرین کس نام سے یاد کرتے ہیں؟ ابھی میں اس مسئلہ پر سوچ ہی رہی تھی کہ ڈاکٹر گار اور شوشوئی آتے ہوئے نظر آئے۔" (197)

یہ ناول طلسماتی واقعیت نگاری کے اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ انہوں نے حقیقت اور خواب کے امتزاج سے ناول کی کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔ وہ ہمارے سامنے آنے والی دور کی ایک امکانی بلکہ امکانِ غالب کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان کے اسلوب نگارش پر ان کے مخصوص رومانوی لہجے کی چھاپ بدستور موجود ہے، زبان کا انداز پرشکوہ ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"انسانی فطرت کے جلوے اوجِ ثریا کو چھو رہے تھے اور رقص کی دھنوں کی چیخنی چلاتی

موسیقی سے فضا گونج اٹھی تھی۔ مقامی بے فکروں، بین الاقوامی سیاحوں اور البیلے سجیلے جوڑوں کے قدم رقص میں متحرک تھے۔ اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو احساس ہوتا تھا کہ بے شک ساغرِ زندگی کا یہی خمار اصل حاصلِ زندگی ہے۔۔۔۔ نہ کہ رنج و غم اندیشہ ہائے دور دراز، فکر معاش اور روزگار، خوف فردا اور غم امروز!" (198)

حجاب کا ناول پاگل خانہ ان کی مستقبل بینی اور مستقبل شناسی کا عکاس ہے۔ یہ فکر و خیال کا آتش فشاں ہے۔ جب یہ آتش فشاں قاری کے اندر پھٹتا ہے تو اس کا ذہن انسانی زندگی کے اس اہم مسئلے (جسے ناول کا موضوع بنایا گیا ہے) کے سینکڑوں پہلوؤں کی طرف مبذول ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کسی تخلیقی اور اختراعی صلاحیتوں سے مالا مال شخص کا خیال کہانی کے قالب میں ڈھلتا ہے تو اس کہانی کے اندر آنے والے زمانے کے واقعات سما جاتے ہیں اور اس کا مطالعہ کرتے ہوئے آیندہ کے زمانوں کی چھاپ صاف سنائی دینے لگتی ہے۔

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو حجاب کے ناولٹ ظالم محبت، ناول اندھیرا خواب اور پاگل خانہ کی فضا رومانوی اور تخیلاتی ہے تاہم ان کے ناولٹ ظالم محبت پر ان کے گہرے رومانوی مزاج کی چھاپ نمایاں ہے۔ حجاب کا ناولٹ اور دونوں ناول ان کے ذہنی اور فکری ارتقا کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کے ناول پاگل خانہ تک ان کا مخصوص رومانوی طلسماتی شاعرانہ اسلوب نگارش برقرار رہتا ہے۔ لیکن ان کی سوچ اور فکر کا دھارا ایک بڑی تبدیلی سے گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

حجاب کے تینوں ناولوں پر مجموعی تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید جاوید اختر نے اپنا ناقدانہ تجزیہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے اور اسی تجزیے پر ہم ان سطور کا اختتام کرنا پسند کریں گے:

"حجاب امتیاز علی نے اپنے ناولوں کے لیے اچھوتے موضوع منتخب کیے ہیں۔ ظالم محبت کا موضوع دو دوستوں کی اتھاہ محبت ہے۔ اندھیرا خواب ایک ذاتی کشمکش کا اظہاریہ ہے اور پاگل خانہ سائنس کے ہاتھوں اس دنیا کی تباہی و بربادی کا مرثیہ ہے۔ اگرچہ حجاب امتیاز علی نے اپنی طویل ادبی زندگی میں دوسرے مصنفین کے مقابلے میں بہت کم ناول لکھے ہیں لیکن انہوں نے اپنی انفرادیت اور علیحدہ شناخت کو بہر حال برقرار رکھا ہے۔" (199)

حجاب بحیثیت روزنامچہ نگار

حجاب کا تحریری سفر محض افسانہ ناول اور مضمون کی اصناف تک ہی محدود نہیں ہے۔ انہوں نے روزنامچہ، ڈراما اور مکتوب جیسی اصناف نثر کو بھی اپنے احساسات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ حجاب نے بچوں کے لیے کہانیاں بھی تحریر کیں۔ انہوں نے کچھ انگریزی مضامین اور ایک انگریزی ناول کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس باب میں ہم ان تمام حوالوں سے حجاب کے فن کا جائزہ پیش کریں گے۔ حجاب کے دو روزنامچے یعنی لیل و نہار اور موم بتی کے سامنے چھپ چکے ہیں۔ حجاب کا روزنامچہ لیل و نہار مارچ سے مئی 1975 تک روزنامہ مشرق میں بھی چھپتا رہا۔ یہ روزنامچے حجاب کے معمولات، مطالعے اور مشاغل کی تفصیلات کو محیط ہیں۔

یہ روزنامچے مختلف واقعات کے حوالے سے حجاب کے جذبات اور تاثرات تک رسائی حاصل کرنے کا مستند ذریعہ ہیں۔ یہ روزنامچے ذاتی تاثرات کی لحاتی سچائیاں ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حجاب کے دونوں مطبوعہ روزنامچے ان کے تجربات، مشاہدات اور نظریات کی ایک مربوط داستان ہیں۔ انہیں پڑھتے ہوئے جہاں ہمیں ان کی سماجی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ وہاں ہم ان کی داخلی کیفیات سے بھی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کی روزنامچہ نگاری کے محرکات کا تعلق ہے اس ضمن میں ان کا ایک مطبوعہ مضمون ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

”جس زمانے میں میں نے لیل و نہار لکھنا شروع کیا تھا ان ایام میں میں بہت علیل اور افسردہ تھی۔ مجھے چکروں کے شدید دورے پڑتے تھے اور دورے میں یہ محسوس ہوتا رہتا تھا جیسے میں کسی کشتی میں سوار ہوں اس قسم کی علامات کو نفسیاتی معالج ذہنی الجھنیں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس قسم کی ذہنی الجھن اور بیماری نے مجھے بالکل بے کار بنا رکھا تھا۔ نہ ملاقاتیں نہ کتابیں نہ افسانوں کے نئے خیال نہ گھریلو مصروفیات تقریباً سب کچھ میرے لیے بند تھا مگر ساتھ ہی غضب یہ تھا کہ معالجوں نے مجھے اکوپیشن تھراپی (مصروفیت کے ذریعے ذہنی علاج) کا نسخہ بھی دے رکھا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں اور کام مجھ سے ممکن نہ تھے اس لیے سب سے سہل اور دلچسپ کام یہی ایک تھا کہ دن بھر چپ چاپ اپنی اسٹڈی میں آرام سے بیٹھی روزنامچہ لکھتی رہوں۔ امتیاز صاحب نے کسی موقع پر مجھ سے تہذیب کے لیے مضمون مانگا میرے پاس لیل ونہار موجود تھا وہ میں نے بغیر کسی پس وپیش کے انہیں دے دیا۔" (200)

حجاب کا پہلا روزنامچہ لیل ونہار کتابی شکل میں آنے سے قبل تہذیب نسواں اور کچھ ادبی جرائد میں چھپتا رہا۔ ایک زمانے میں جب اس کی اشاعت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو اس زمانے میں مختلف قارئین نے اس ضمن میں حجاب سے استفسار کیا کہ انہوں نے روزنامچہ لکھنا کیوں بند کر دیا ہے۔ محولہ بالا مضمون اسی امر کی وضاحت کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں حجاب لکھتی ہیں کہ قارئین تہذیب نے اس روزنامچے کو بے حد پسند کیا۔ اسی مضمون کا یہ اقتباس دیکھیے:

"اسے پڑھ کر خریدارانِ تہذیب نے بہت سراہا اور مجھ پر خطوط کی بارش کر دی۔ مجھے کافی تعجب ہوا اس لیے کہ یہ روزنامچہ جس کا نام میں نے لیل ونہار رکھا تھا بے حد سادہ ہوا کرتا تھا۔ آخر لوگوں کو اس میں اتنی دلچسپی کی کون سی بات نظر آئی۔ تاہم میں عنایت فرماؤں کی اس محبت کی بے حد شکر گزار ہوئی اور ان کے اصرار پر یہ تہذیب میں چند مہینے مسلسل شائع ہوتا رہا۔" (201)

حجاب کا پہلا روزنامچہ لیل ونہار سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیرِ اہتمام 1988 میں چھپا۔ اس رورنامچے میں 25 مئی 1942 سے لے کر 28 مئی 1943 تک کی یادداشتیں محفوظ ہیں۔ اس روزنامچے کی نمایاں خصوصیت رومانویت اور فطرت نگاری ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"کوئی ڈھائی بجے کے قریب ایک کوئل نے زور زور سے کوکنا شروع کر دیا۔ پنجاب کے گلستانوں میں کوئل شاذ و نادر ہی کوکتی ہے۔ کیونکہ یہاں امریوں کی کمی ہے۔ اس لیے

میں نے تہیہ کر لیا کہ کام بند کر کے کوئل کی کوک سنوں گی۔ پھر خیال آیا اگر کہیں کوئل زور زور سے چلانے لگے پھر کیا ہوگا؟ اس لیے صرف دس منٹ دریچی میں چپ چاپ بیٹھ کر اس کی کوک سنتی رہی۔ پھر لکھنے بیٹھ گئی۔" (202)

مندرجہ بالا اقتباس حجاب کی فطرت پسندی اور رومانویت کا ترجمان ہے۔ اس روزنامچے میں بہت سے مقامات پر مصنفہ کی رومان پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک اور اقتباس دیکھیے:

"مالک جانے اس تنہائی اور اس چاندنی میں میرا طائرِ خیال کن کن مرغزاروں میں گھومتا رہا۔ خیال کے دامن نہیں ہوتے۔ اس لیے انہیں اپنی طرف کھینچا نہیں جا سکتا۔ میں دیر تک بالکونی میں مدہوش سی بیٹھی رہی۔ ساڑھے دس بجے نیچے اترنے لگی۔ زینے پر یوکلپٹس کے سائے رقصاں تھے۔ مجھے ان سایوں کے درمیان دو منٹ ساکت کھڑا رہنا پڑا۔ معلوم ہوتا تھا ان لرزاں سایوں نے میرا دامن پکڑ رکھا تھا۔" (203)

ماضی پسندی اور اس کی یادیں رومانویت کا ایک اہم پہلو ہیں۔ حجاب اپنی تحریروں میں اپنی طبعی ماضی پسندی اور رومانویت کی وجہ سے اکثر و بیشتر ماضی کو یاد کرتے دکھائی دیتی ہیں۔ مرقع کشی اور منظر نگاری حجاب کی بیشتر تحریروں کی قابل ذکر خوبی ہے۔ وہ اس فن میں باکمال ہیں۔ حجاب کے اس روزنامچے میں سے ان کی منظر نگاری کی یوں تو بہت سی مثالیں بطور حوالہ درج کی جا سکتی ہیں۔ تاہم یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ منظر کشی کا یہ انداز دیکھیے:

"شام کے وقت بھی آسمان تراشیدہ نیلم کی طرح خوش رنگ رہا اور دھوپ طلائی رنگ کی تھی۔ دنوں کے انتظار کے بعد ایسا شفاف آسمان میسر آیا تھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آج رات میں تاروں کی جانچ پڑتال کر سکوں گی۔۔۔۔۔ پہلے تو غروب آفتاب کا منظر دیکھا جو ہوشربا تھا۔ پھر جب آسمان پر رات کا اندھیرا چھانے لگا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آج دل کھول کر تاروں کو دیکھوں گی۔" (204)

مناظر فطرت سے وابستگی مصنفہ کے مزاج کا حصہ ہے۔ نیلے آسمان کی وسعتوں کو انہوں نے ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ حجاب کا روزنامچہ لیل و نہاران کے ذہنی، فکری ارتقا اور باطنی

کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ وہ اپنی افسردگی اور اداسی کا ذکر مختلف مقامات پر کرتی ہیں۔ یہ چند سطریں دیکھیے:

"آج میں تمام دن بے حد افسردہ اور انتہائی مضطرب رہی۔ میرے خیالات شدید طور پر باغیانہ ہو رہے تھے۔ مجھے ڈر تھا بات کروں گی تو تب پر میرے مراقی انداز کا برا اثر پڑے گا اور وہ بہت زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔" (205)

مصنفہ کی طبیعت کا ایک روشن پہلو جو اس روزنامچہ کے مطالعہ سے سامنے آتا ہے وہ ان کا خود تنقیدی اور خود احتسابی کا رویہ ہے۔ وہ اس روزنامچہ میں لکھتی ہیں:

"ان دنوں میں بہت جھوٹے وعدے کرنے لگی ہوں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر جھوٹے وعدے نہ کروں تو کیا کروں۔ ابھی مجھ میں باوجود دواؤں کے استعمال کے اتنی قوتِ حیات پیدا نہیں ہوئی کہ جرات سے کام لے کر انکار کر دوں۔" (206)

مصنفہ نے اپنے خوابوں اور خیالوں کی الگ سے بستی بسائی ہوئی ہے۔ وہ ایک خواب کار ادیبہ ہیں اور خوابوں کی دنیا میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ اس حوالے سے اس روزنامچہ کی کچھ سطور ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ وہ اس روزنامچے میں ایک مقام پر لکھتی ہیں:

"خالی وقتوں میں شام کے پروگرام بناتی ہوں یا ہوائی قلعے۔" (207)

انہیں خوابوں کی دنیا میں رہنا مرغوب ہے۔ اس ضمن میں وہ خود اس امر کی معترف ہیں:

"میں کس قدر خیالی دنیا میں رہتی ہوں۔ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بہار کا موسم ہے اور میں ایک ہلکی پھلکی جارجٹ کی ساڑھی میں کھڑی ہوں۔ آنکھ کھلی تو کمرہ اندھیرا پڑا تھا۔۔ ایسی خوفناک اور سرد رات میں ایسا سہانا گرم خواب۔ انہوں نے اسی روزنامچے میں ایسے معالج کو پسندیدہ معالج قرار دیا ہے جو اپنی مصروفیات کے باوجود جدید ترین طبی تحقیقات پر کتابیں پڑھتے اور جدید ترین تجربات سے آگاہ رہتے ہیں۔" (208)

بحیثیت مجموعی حجاب کا روزنامچہ لیل و نہاران کے جھوٹے سچ یا سچے جھوٹ کا نمونہ ہے۔ اس ضمن میں ممتاز ادیب احمد ندیم قاسمی کا یہ تبصرہ قابلِ توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تہذیب نسواں میں کبھی نذر سجاد حیدر صاحبہ اور کبھی حجاب امتیاز صاحبہ کے روزنامچے شائع ہوا کرتے تھے۔ ایک روز سالک صاحب میرے پاس بیٹھے تہذیب نسواں کا نیا شمارہ دیکھ رہے تھے جب حجاب صاحبہ کا روزنامچہ پڑھتے ہوئے اچانک چونکے اور چپڑاسی سے کہا کہ امتیاز صاحب کو بلالاؤ۔ امتیاز صاحب میرے کمرے میں پہنچے تو سالک صاحب نے چھوٹتے ہی کہا حجاب بی بی سے کہیے روزنامچہ لکھا کریں تو سچ بولا کریں روزنامچے میں افسانہ نگاری نہیں چلتی۔ امتیاز صاحب نے تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا اور اس مشورے کی وجہ پوچھی تو سالک صاحب بولے یہ دیکھیے لکھا ہے کہ سالک صاحب ہم سے ملنے آئے تو اس وقت میں اپنی دریچی میں کھڑی دریچی پر پھیلی ہوئی پھولوں لدی بیل کی جھریوں میں غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ جب میں پہنچا تو وہ اپنے طوطے کو چوری کھلا رہی تھیں۔''

موم بتی کے سامنے

حجاب کا دوسرا مطبوعہ روزنامچہ موم بتی کے سامنے ہے۔ یہ روزنامچہ آئینہ ادب انارکلی لاہور کے زیرِ اہتمام پہلی مرتبہ 1967 میں چھپا۔ یہ 1965 کی سترہ روزہ پاک بھارت جنگ کا احاطہ کرتا ہے۔ اس روزنامچے کا دیباچہ امتیاز علی تاج نے ان الفاظ میں تحریر کیا:

''1965 کی ہندو پاکستان کی جنگ کے متعلق جو ادب پیدا ہوا اس میں یہ روزنامچہ کئی اعتبار سے ایک اہم دستاویزی مقام رکھتا ہے دوسرے اس لحاظ سے بھی وقیع ہے کہ اصناف ادب میں سے روزنامچے اُردو میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ چنانچہ اسے کتابی صورت میں شائع ہو کر جنگ کے یادگار ادب میں شامل اور محفوظ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ اس کا تذکرہ سن کر پڑھنے والوں کو اسے حاصل کرنے کے لیے رسائل کے جنگ نمبروں کی تلاش نہ کرنی پڑے۔ مجھے امید ہے جنگ کے سترہ دنوں کے روزنامچے کی یہ کتاب پاکستانی ادب اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگی۔'' (209)

حجاب کا یہ روزنامچہ ان کی رومان نگاری کے بجائے حقیقت نگاری کا عکاس ہے۔ یہ تخیل سے

زیادہ حقیقت حال کا ترجمان ہے۔ یہ روزنامچہ مصنفہ کی زندگی کا ایک اہم فکری موڑ ہے اس کی ایک ایک سطر حب الوطنی کے جذبات سے لبریز ہے۔ یہ مصنفہ کی امن پسندی اور جنگ سے نفرت کا بھی عکاس ہے۔ وہ اس سترہ روزہ جنگ کے اختتام پر اپنے روزنامچہ میں لکھتی ہیں:

''آج جنگ کے اختتام پر آنکھیں اپنے شہدائے وطن کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ وہ کہاں سے آئے اور کہاں چل دیے۔ یہ عظیم لوگ اس شمع کے پروانے تھے جسے حسین کے مبارک ہاتھوں نے روشن کیا تھا۔ وہ زندگی کی تاریکیوں میں سے نمودار ہوئے اور حسین کی شمع ہدایت کا طواف کر کے اپنی مقدس خاک کو زندہ جاوید بنا گئے۔ ان جانبازوں کے لیے جہاں ساری قوم اور سارا پاکستان اشکبار ہے وہاں اس پر لاکھوں سلام بھی بھیج رہا ہے۔ وہ پاکستان اور اس کی آئندہ نسلوں کے دلوں میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔'' (210)

حجاب کے دونوں روزنامچوں کا موازنہ کیا جائے تو ان کا پہلا روزنامچہ شخصی اور انفرادی نوعیت کا ہے جب کہ دوسرا اجتماعی جذبات کا آئینہ دار۔ دوسرا روزنامچہ ان کے مخصوص طرز نگارش سے انحراف کا اشاریہ ہے۔ اس میں تخیل اور رومان کی کارفرمائی نہیں ہے۔ یہ حقیقت نگاری کا عکاس ہے۔ ان کا دوسرا روزنامچہ ان کی فکری تبدیلیوں کی علامت ہے اور ان کے ناول پاگل خانہ کی اساس۔ لیل ونہار کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے کچھ ایسے نثری ٹکڑے آتے ہیں جنہیں بجا طور پر اقوال کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس نوعیت کے کچھ نثری ٹکڑے دیکھیے:

''آنسو اور مسکراہٹ میں کتنا فاصلہ ہے! مگر زندگی میں اکثر ان دو کے درمیان جھولا جھولنا پڑتا ہے۔ کبھی اس سرے کو چھو لیا کبھی اس سرے کو!'' (211)

''اگر کبھی اتفاق سے دستِ قدرت کو تمام دنیا کے مصائب و آلام کو ملا کر گوندھنے کا خیال آ جائے تو اور پھر از سر نو مصائب و آلام پر انسان کو تقسیم کرنے لگے تو میرا خیال ہے ہر شخص اپنی اپنی سابقہ مصیبت کو واپس لینا زیادہ پسند کرے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ دوسروں کی مصیبت کو قبول کرے۔'' (212)

''چہرہ انسان کی ڈائری ہے! اس پر زندگی کے حادثات کا پورا ریکارڈ مل جاتا ہے۔'' (213)

حجاب بحیثیت ڈراما نگار

حجاب بنیادی طور پر تو ایک افسانہ نگار تھیں۔ انہوں نے مضمون نگاری اور ناول نگاری کی اصناف میں بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے نقوش ثبت کیے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سات ڈرامے لکھے۔ ان کے پانچ ڈرامے تو ان کے ڈراموں کی کتاب سوکھے پتے میں موجود ہیں جبکہ ان کا چھٹا ڈراما یعنی ''دعوت نامہ'' کراچی کے ایک ادبی جریدے میں چھپا۔ ان کا ساتواں ڈراما چچا بھتیجیاں الحمرا لاہور میں سٹیج کیا گیا۔ ان کے کچھ ڈرامے ریڈیو سے بھی نشر ہوئے۔

ان کے ڈراموں کا مجموعہ سوکھے پتے اور دوسرے ڈرامے سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام 1999 میں چھپا۔ اس کا انتساب ان کے داماد نعیم طاہر کے نام ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

''نعیم طاہر کے نام!

نعیم طاہر خواہ دنیا کے کسی حصے یورپ، امریکہ، جاپان کہیں ہوں مجھے ہمیشہ وہ اسٹیج پر ہی نظر آتے ہیں اور شاید ان کی مرغوب اور موزوں جگہ بھی یہی ہے۔ لہٰذا میں اپنے ڈرامے انہی کے نام معنون کرتی ہوں۔''(214)

ان کا ڈراما ''بہاریں، جنون اور موٹر پمپ'' قبل ازیں بہاروں میں کے زیرِ عنوان آئینہ ادب لاہور کے زیر اہتمام 1968 میں چھپنے والی کتاب میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا انتساب ہے:

''گرم بہاروں میں کوکنے والی کوئلوں کے نام۔''(215)

اس ڈرامے کے کرداروں میں دادی زبیدہ، روحی، صوفی، زرد کلی، صندل، صنوبر، دلربا، سنبل سوسن اور حبشی خانہ زاد برگِ سبز اور برگِ خشک ہیں۔ یہ ڈراما سٹیج ڈراما معلوم ہوتا ہے۔ اس ڈرامے

میں دادی زبیدہ اپنے پوتے ریحانی کو کہتی ہیں کہ باغوں کے داروغہ کے نام ایک خط لکھے جس میں اس سے کہا جائے کہ وہ اس مہینے کی 13 تاریخ تک باغ میں موٹر پمپ لگا جائے۔ لیکن ریحانی یہ خط نہیں لکھنا چاہتا کیونکہ اسے داروغہ کی بیٹی زہرہ سے عشق ہے۔ دادی زبیدہ نے ریحانی کا لکھا زہرہ کے نام محبت نامہ پڑھ لیا ہے۔ اب ریحانی بہت پریشانی ہے۔ دادی کا خیال یہ ہے کہ ریحانی پر بہاروں کا اثر ہو گیا ہے۔ اس ڈرامے میں منظر نگاری کے حوالے سے حجاب حسب توقع کامیاب دکھائی دیتی ہیں۔ منظر نگاری اور محاکاتی تفصیل پسندی کے حوالے سے ڈرامے کا ابتدائیہ دیکھیے:

> ''موسم بہار کی ایک حسین دوپہر۔ باغ کی طرف کے دریچے کھلے ہوئے ہیں۔ ہر طرف درخت اور آڑو کے تربوزی شگوفے نظر آرہے ہیں۔ کمرے کا رنگ شگفتہ گلابی ہے۔ صوفے اور دیواریں گلابی رنگ کی ہیں۔ پردے باریک آسمانی رنگ کے ہیں۔ گلدانوں میں گہرے گلابی رنگ کے گلاب کھلے ہوئے ہیں۔ کمرے کی آرائش میں موسم بہار کا خیال ملحوظ رکھا گیا ہے۔ باغ کی طرف سے کوئل کے کوکنے کی بار بار آواز آرہی ہے۔'' (216)

اس ڈرامے میں دادی زبیدہ کی سخت مزاجی اور ضابطہ پسندی ہر منظر سے عیاں ہے۔ صوفی رومانی طبیعت رکھنے والی رقص کی شوقین لڑکی کے طور پر متعارف کرائی گئی ہے۔ روحی ستار بجانے کا شوق رکھتی ہے اور اسے الف لیلیٰ کا مطالعہ پسند ہے۔ ریحانی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

> ''انیس بیس سال کا ایک منچلا شوخ حسین نوجوان ریحانی اپنے خیالات میں مگن ایک والہانہ انداز سے مسکراتے ہوئے اور گنگناتے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے۔ کان پر دو قلم اٹکے ہوتے ہیں۔ پیٹھ پر کاغذات کا چھوٹا سا تھیلا ہے۔ جس کی وجہ سے ذرا آگے کو جھکے ہوئے ہیں۔'' (217)

اس ڈرامے میں بھی حجاب کے شگفتہ مزاحیہ افسانوں اور مضمونوں کی طرح طنز و مزاح کی کیفیت

پائی جاتی ہے۔ چند مثالیں دیکھیے ڈرامے میں ایک مقام پر ریحانی کہتا ہے:

''میں تو بڑے میاں کو صاف لکھ دوں گا کہ تمھیں بوری میں بند کر کے سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا جائے گا۔ نہ جنازہ اٹھے گا نہ کہیں مزار ہو گا۔ اس کے علاوہ چند مناسب گالیاں میں سنادوں گا کہ تیرہ ماہ تک موٹر پمپ نہ لگوایا تو تمہاری روح دوزخ کے تندور میں ڈبل روٹی۔'' (218)

ایک اور مثال دیکھیے:

''صوفی ریحانی سے پوچھتی ہے۔ یہ کیا لکھا ہے تم نے باغوں کے داروغہ کو
تیرے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے؟
اور اسے اہمیت دینے کے لیے میرے دل اور تیرے تیر کے نیچے لال پنسل کی لکیر کھینچ رکھی ہے۔'' (219)

یہ پورا ڈراما اسی طرح کے طنزیہ مزاحیہ جملوں، نوک جھونک اور چھیڑ چھاڑ سے بھرپور ہے۔ یہ ہلکا پھلکا مزاحیہ نوعیت کا ڈراما ہے اس کا نقطۂ عروج (Climax) وہ مقام ہے جب اتفاقاً ریحانی کا زہرہ کے نام لکھا مکتوب دادی زبیدہ کے سامنے آجاتا ہے۔ یہاں ایک دلچسپ کیفیت جنم لیتی ہے۔ یہ خط پڑھنے کے بعد دادی زبیدہ یہ تبصرہ کرتی ہے:

''مجھے یہی خدشہ تھا گرمیوں میں جس طرح نکسیر پھوٹتی ہے سردیوں میں جس طرح زکام ہو جاتا ہے یہی حالت بہاروں کی ہے۔ بہاروں میں جنون ہو جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ ریحانی کو جنون ہو گیا ہے۔ مجھے پہلے ہی خطرہ تھا اس کی وجہ سے موٹر پمپ نہ لگ سکا۔'' (220)

ڈراموں کے اس مجموعے میں شامل ایک ڈرامے کا عنوان جنگ اور بچہ ہے۔ اس ڈرامے کا پس منظر ستمبر 1965 کی پاک بھارت جنگ ہے۔ یہ ڈراما جنگ کے منفی اور مہلک پہلوؤں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ جذبہ حب الوطنی کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں یہ بتانے

کی کوشش کی گئی ہے کہ جنگ ماں سے بیٹے، بچوں سے باپ اور بیویوں سے شوہر چھین لیتی ہے۔
اس ڈرامے کی کہانی یہ ہے کہ وطن کا ایک بہادر سپاہی اپنی بائیس سالہ بیوی اور چار سالہ بیٹے کو گھر چھوڑ کر سیالکوٹ کے محاذ پر دشمن کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پہنچ جاتا ہے اور وہاں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے۔ اس شہید فوجی جوان کا باپ ایک ریٹائرڈ بوڑھا فوجی ہے۔ جو جسمانی طور پر تو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے لیکن اندرونی طور پر مضبوط ہے۔ جنگ جاری ہے اسی جنگ کے دوران شہید باپ کا ننھا منا بیٹا ایک جنگی جہاز کو آتا دیکھ کر گھر سے باہر کی جانب بھاگتا ہے اور ماں سے کہتا جاتا ہے کہ بھارت میں مقیم میرے ایک ہندو دوست نے مجھے اس جہاز کے ذریعے تحفہ بھیجا ہے ابھی جہاز یہ تحفہ زمین پر گرائے گا تو میں یہ اٹھا لاؤں گا۔ لیکن ہوتا یہ ہے:

> ''یک لخت جہازوں کی گڑگڑاہٹ تیز ہو جاتی ہے پھر ایک فلک شگاف دھما کا سنائی دیتا ہے ساتھ ہی ماں کی چیخ فضا میں گونجتی ہے ہائے ۔۔۔۔ میرے بچے کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ لوگو! وہ دوست کا تحفہ لینے گیا تھا دوست کا تحفہ۔'' (221)

اس ننھے بچے کا باپ سیالکوٹ کے محاذ پر شہید ہوا اور اب یہ بچہ خود دشمن کی بمباری کا شکار ہو گیا۔
حجاب نے اس ڈرامے میں بہادری اور حب الوطنی کے جذبات کو اجاگر کیا ہے۔ بچے کا دادا جو کہ خود ایک ریٹائرڈ فوجی ہے اور ایک شہید فوجی کا باپ بھی ہے۔ وہ ڈرامے میں ایک مقام پر مسکرا کر کہتا ہے:

> ''کیوں نہ خوش ہوں؟ میرا شیر دل میرا جانباز میرا نور نظر سیالکوٹ کے محاذ پر دشمن کے سینکڑوں ٹینکوں کے آگے سیسہ پلائی دیوار کی طرح بے خوف وخطر کھڑا ہو گیا اور اپنے وطن پاک کے لیے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ مرحبا اے مرحبا۔ میرے جوان بیٹے نے اپنے سینے پر گولی کھائی میں خوش ہوں میں شہید کا باپ ہوں۔'' (222)

اس مجموعے میں شامل آخری ڈرامے کا عنوان نیا گھر ہے۔ اس ڈرامے میں انہوں نے علامتی

انداز میں ایک سیاسی موضوع کو ڈرامے کی کہانی میں سمویا ہے۔ نیا گھر کا عنوان پاکستان کی علامت ہے۔ جس میں انہیں باہمی محبت، ملاپ اور ذہنی قربتوں کی کمی دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس ڈرامے میں یہ پیغام دینا چاہتی ہیں کہ ملک کو زندہ رکھنے کے لیے لوگوں کے مابین مفاہمت کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ یہ گھر واقعی گھر بن سکے۔ روز روز کے جھگڑے اس مشترکہ گھر کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ اس کے مکینوں کو اس گھر کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیے۔

حجاب کا ایک ڈراما جوان کی اس کتاب میں شامل نہیں ہے اس کا عنوان دعوت نامہ ہے۔ یہ ڈراما ماہنامہ ہم قلم کراچی (سالگرہ نمبر 1961) میں چھپا۔ یہ ایک مزاحیہ نوعیت کا ڈراما ہے۔ اس ڈرامے میں نازی ایک کم عمر مگر شوخ لڑکی ہے۔ وہ اس ڈرامے میں کبھی طنز اور کبھی مزاح سے کام لے کر دلکشی، شوخی اور رنگینی پیدا کرتی ہے۔ وہ ڈرامے کی فضا کو شگفتہ اور خوش گوار رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس ڈرامے کا پیغام یہ ہے کہ انسان کو ہر کام نہایت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور خود اپنی تعریف کرنے سے بچنا چاہیے بلکہ زندگی کے عملی پہلوؤں پر نگاہ رکھنا چاہیے۔

حجاب کے ڈراموں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو حب الوطنی، بڑھاپا، نفسیاتی جذباتی کیفیات، انسانی رشتوں اور انسان کی تذلیل، جنگ اور امن ان کے مرکزی موضوعات ہیں۔ عشق و محبت، بہادری اور جان فروشی کا تذکرہ، ماضی کی خوش گوار یادیں، شکوہ زبان اور محاکاتی تفصیل پسندی ان کے ڈراموں کے بنیادی عناصر ہیں اور یہ عناصر ان کی رومانویت کے ترجمان ہیں۔ مزاح بھی ان کے ڈراموں کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ ''بہاریں، جنون اور موٹر پمپ'' واقعاتی مزاح اور ''پنجرہ'' کرداری مزاح کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان کے کچھ ڈرامے المیہ اور کچھ طربیہ ہیں۔

حجاب کے ڈراموں کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ بہت مختصر ہیں اور انہیں باآسانی سٹیج کیا جا سکتا ہے۔ حجاب کے ڈراموں کے پلاٹ سادہ اور اکہرے ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ ان کے بیشتر ڈراموں میں بہت زیادہ تجسس اور تصادم کی کیفیت موجود نہیں ہے۔ ان میں جذبات نگاری کا عنصر بھی کم ہے۔ حجاب کے بیشتر ڈراموں کے پلاٹ کا تانا بانا گھریلو زندگی

کے مسائل کے گرد بنا گیا ہے۔ پلاٹ کے علاوہ کسی بھی ڈرامے کی کامیابی کا انحصار کردار نگاری اور مکالمہ نویسی پر ہوتا ہے۔ ڈراما نگار کو چاہیے کہ وہ زمان و مکان کا پورا پورا خیال رکھے ڈراما نگار ڈرامے میں جس معیار کی معاشرت پیش کر رہا ہو کرداروں کی گفتگو عادات و اخلاق رہن سہن وغیرہ اس معیار کا ہونا چاہیے۔ کرداروں کے مکالمات میں ماحول کا اثر دکھایا جانا چاہیے۔ اس حوالے سے حجاب ایک کامیاب ڈراما نگار ہیں کہ وہ کردار نگاری میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ حجاب نے اپنے ڈراموں میں جو کردار پیش کیے ہیں وہ زندگی کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ان میں بے جا تصنع نہیں ہے۔ وہ ہمارے ہی معاشرے کے فرد معلوم ہوتے ہیں کسی ماورائی سیارے کی مخلوق نہیں۔ حجاب کے ڈراموں میں شگفتگی اور شائستگی کے ساتھ ساتھ احساسِ درمندی بھی موجود ہے۔

حجاب بحیثیت بچوں کی ادیبہ

حجاب کے فن کا ایک حوالہ بچوں کا ادب بھی ہے۔ لیکن ان کے تمام نقادوں اور تحقیق کاروں نے ان کی اس ادبی جہت کو مکمل طور پر نظر انداز کیا ہے۔ ان سطور میں ہم ان کے اسی ادبی پہلو کا جائزہ لے رہے ہیں۔ حجاب کے سسر مولوی ممتاز علی نے 13 اکتوبر 1909 کو لاہور سے بچوں کا رسالہ پھول جاری کیا۔ یہ رسالہ اڑتالیس سال یعنی 1957 تک ہر ہفتے باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ بلاشبہ یہ رسالہ بچوں کی ادبی تربیت گاہ تھا۔ اس کی پہلی ایڈیٹر بنت نذر الباقر تھیں۔ دوسرے ایڈیٹر خود مولوی ممتاز علی تھے۔ ان کے بعد سید امتیاز علی تاج اور سید امتیاز علی تاج کے بعد حجاب کچھ عرصہ کے لیے اس کی مدیرِ اعلیٰ رہیں۔ اپنے اسی دورِ ادارت کے دوران حجاب نے بچوں کے لیے کچھ کہانیاں لکھیں جو پھول میں شائع ہوئیں۔

ریچھ کی دادی اماں کے زیرِ عنوان حجاب کی ایک کہانی پھول میں چھپی۔ اس کا اسلوب مزاحیہ اور شگفتہ ہے۔ کہانی واحد متکلم کی تکنیک میں بیان کی گئی ہے۔ ایک چھوٹی سی بچی یہ کہانی سناتی ہے کہ اس نے خواب میں ایک ریچھ کو دیکھا جو اپنے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ جھک جھک کر اسے سلام کر رہا ہے۔ یہ خواب دیکھتے ہوئے اس کہانی کی واحد متکلم بچی کو دادی اماں ناشتہ کرانے کے لیے جگا دیتی ہیں۔ اب وہ اپنی دادی اماں کو بتاتی ہے:

> ”دادی اماں! خواب میں ایک ریچھ اور اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے دیکھ رہی تھی جو مجھے جھک جھک کر سلام کر رہے تھے اور میں ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر ان کو دعا دے رہی تھی۔ جیسے آپ میرے سلام کے جواب میں مجھے دعا دیتی ہیں۔ دادی اماں ہنس پڑیں اور بولیں تو گویا تم ریچھ کی دادی اماں ہو۔“ (223)

حجاب کی دوسری کہانی طوطے کا پنجرہ بھی پھول میں چھپی۔ یہ بھی واحد متکلم کی تکنیک میں لکھی

گئی کہانی ہے۔ اس میں کہانی کے واحد متکلم کردار نے اپنے ماموں جان کی غیر حاضر دماغی کو کہانی کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اس کہانی کا آخری پیراگراف دیکھیے: جس سے ماموں جان کی غیر حاضر دماغی واضح ہو رہی ہے:

''اب سنیے، کہ ماموں جان لالٹین ہاتھ میں لٹکائے تیزی سے باہر نکل گئے اور تھوڑی دیر بعد فون کر کے واپس آئے تو ہم بچوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں لالٹین کی بجائے انجینئر صاحب کے طوطے کا پنجرہ لٹک رہا تھا۔ جلدی میں انہوں نے بغیر دیکھے لالٹین کی بجائے طوطے کا پنجرہ اٹھا لیا تھا۔'' (224)

حجاب کی کہانی کھلونوں کا درخت بھی بچوں کے رسالے پھول میں چھپی۔ یہ ایک غریب لڑکی فریدہ کی کہانی ہے جو اپنے ہمسایہ بچوں کو خوبصورت کھلونوں سے کھیلتا ہوا دیکھ کر اپنے احساس محرومی پر آنسو بہاتی رہتی تھی۔ فریدہ نے ایک روز خواب دیکھا کہ جنگل کے بادشاہ شیر نے اسے خواب میں ایک پودا دیا جس کے نیچے ایک بیج لگا ہوا تھا اور کہا:

''لو منی! اس بیج کو تم اپنے گھر کے صحن میں بو دو۔ ایک درخت نکل آئے گا اور تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی۔'' (225)

خواب میں فریدہ نے یہ بیج وصول کر لیا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ سچ مچ کا ایک ننھا سا بیج اس کی مٹھی میں موجود ہے۔ اس نے گھر کے صحن کی کیاری میں وہ بیج بو دیا۔ چند دنوں بعد ایک ننھا سا پودا اگ آیا جو بڑھتے بڑھتے ایک اونچا درخت بن گیا۔ اس کی ٹہنیوں پر پھولوں کی بجائے قسم قسم کے کھلونے لگے ہوئے تھے۔ وہ ان کھلونوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور اتنی خوش ہوئی کہ اس کا سارا گھر اس کی ہنسی کی آواز سے گونج اٹھا۔

اس کہانی کا اسلوب نگارش طلسماتی اور تخیلاتی ہے۔ اور یہ حجاب کے فن کا ایک نمایاں پہلو ہے۔

حجاب کی ایک اور کہانی کا عنوان گستاخی ہے۔ یہ کہانی بھی واحد متکلم کے صیغے میں بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے جسے ایک چھوٹا سا بچہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ صبح سویرے وہ جنگل کی سیر کے لیے نکلتا ہے تو دیکھتا ہے کہ شہتوت کے درخت پر ایک چھوٹا بندر ہاتھ میں ایک پکا سرخ سیب لیے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ سیب دیکھ کر اس ننھے سے بچے کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ یہ بچہ بندر سے پوچھتا ہے کہ اس نے یہ سیب کہاں سے حاصل کیا؟ بندر جواب دیتا ہے کہ سامنے کے باغ

سے مالی کی آنکھ بچا کر یہ سیب توڑ لایا ہوں۔ بندر بچے سے پوچھتا ہے کہ تم یہ سیب کھاؤ گے؟ بچہ کہتا ہے کیوں نہیں۔ بندر بچے کو سیب پکڑانے کے لیے ہاتھ نیچے کرتا ہے ابھی بچہ یہ سیب لینے ہی والا ہوتا ہے کہ یہ بندر قہقہہ لگا کر دوسری ٹہنی پر جا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اتنی مشکل سے یہ سیب توڑا تھا میں تمہیں یہ سیب مفت کیسے دے دوں؟ اسی دوران ایک بڑا بندر اوپر کی ٹہنی سے چھلانگ لگا کر اس چھوٹے بندر کو دبوچ لیتا ہے جس کے ہاتھ میں سیب ہے۔ پھر ان کے مابین اس طرح کشتی ہوتی ہے جس طرح دو پہلوانوں کے درمیان۔ اسی دوران کہیں سے لومڑی آ جاتی ہے اور ان دونوں بندروں کو کہتی ہے کہ ایک معمولی سے سیب پر لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہو تو میں تمہارے درمیان صلح کروا دوں۔ اسی اثنا میں کہیں سے ریچھ آ جاتا ہے اور لومڑی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم اس جھگڑے میں دخل نہ دو میں اس کا تصفیہ کراؤں گا۔ یہ کہہ کر ریچھ بندر پر لپکتا ہے۔ چھوٹا بندر بڑے بندر پر لپکتا ہے بڑا بندر لومڑی پر اور لومڑی ریچھ پر لپکتی ہے۔ یہ چاروں پہلوانوں کی طرح کشتی لڑتے لڑتے جنگل کے آخری کونے تک جا پہنچتے ہیں۔ کہانی کا واحد متکلم یعنی چھوٹا بچہ بھی ان کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ اسی دوران چھوٹے بندر کے ہاتھ سے سیب گر پڑتا ہے جسے یہ بچہ اٹھا لیتا ہے۔ بچہ انہیں کہتا ہے:

> ”آؤ دوستو! اب یہ سیب ہم سب کا ہے کیونکہ ہم سب نے اس کے لیے دوڑ لگائی اور محنت کی ہے۔ میں ایک چاقو سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہوں۔ سب سے بڑا ٹکڑا چھوٹے بندر کا ہوگا۔ کیونکہ اصل میں یہ سیب اسی کا ہے۔ دوسرا بڑا ٹکڑا میرا ہوگا۔ کیونکہ اسے میں نے تم سب سے پہلے اٹھایا ہے۔ ریچھ بھیا اور لومڑی آپا کو باقی دو ٹکڑے دے دیے جائیں گے۔“ (226)

جہاں یہ کہانی ختم ہوتی ہے اس کے نیچے یہ درج ہے کہ کہانی میں ایک غلطی ہو گئی ہے بتائیے وہ غلطی کیا ہے اور اس کا جواب اسی رسالے کے صفحہ 26 پر درج ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بچہ ایک ٹکڑا بڑے بندر کو دینا بھول گیا ہے۔

سُست مرغا بھی حجاب کی ایک کہانی کا عنوان ہے جو پھول میں چھپی۔ اس میں ایک چھوٹی منی بچی یہ بتاتی ہے کہ اس نے ایک مرغا اور ایک مرغی پال رکھی تھی۔ اس کی مرغی بڑی محنتی تھی اور اپنے چوزوں کا بڑا خیال رکھتی تھی۔ جبکہ مُرغا بہت کام چور تھا۔ ایک دن مرغی کا دل چاہا کہ اسے بھی روزانہ

کی مصروفیات سے فرصت ملے اور وہ سیر وسیاحت سے لطف اندوز ہو۔ مگر اسے یہ فکر لاحق تھی کہ اگر وہ سیر کو چلی گئی تو اس کے بچوں کو کھانا کون کھلائے گا۔ اس نے جب اس ضمن میں مرغے سے بات کی تو مرغ نے کہا کہ میں بچوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دوں گا تم شوق سے سیر کو چلی جاؤ۔ مرغی سیر کرنے چلی گئی لیکن مرغ میاں بھول ہی گئے کہ بچوں کو کھانا کھلانا ہے۔ جب بچوں نے چیں چیں کر کے مرغے کا ناک میں دم کر دیا تو مرغ میاں دانے کی تلاش میں نکلے۔ ایک دانہ اٹھاتے تو بارہ چوزے منہ کھولے سامنے آجاتے۔ مرغ میاں سوچتے ایک دانہ کس کو دیں اور کس کو نہ دیں۔ آخر مجبور ہو کر خود کھا جاتے۔ شام کو مرغی جب سیر سے واپس لوٹی تو چوزوں نے رو رو کر اپنی ماں مرغی کو بتایا کہ ابا خود کھاتے رہے ہمیں انہوں نے کچھ نہیں کھلایا۔ اس پر مرغ صاحب بولے:

''میں کیا کرتا! ایک دانہ ڈھونڈ کر لاتا تھا یہاں بارہ بچے منہ کھول کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ تب میں نے سوچا کہ خود ہی کیوں نہ کھا جاؤں۔'' (227)

حجاب کی یہ واحد کہانی ہے جس کا انداز کسی حد تک ناصحانہ ہے۔ بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی دوسری کہانیاں ہلکے پھلکے انداز میں لکھی گئی ہیں۔ جن میں پرندوں اور جانوروں کا ذکر ہے۔ انہوں نے اپنی ان کہانیوں میں جن پرندوں اور جانوروں کو بطور کردار متعارف کرایا ہے۔ ان میں طوطا، مرغ، مرغی، ریچھ، بلی، بندر، لومڑی اور ببر شیر وغیرہ شامل ہیں۔ پرندے اور جانور ان کے افسانوں میں بھی بطور کردار شامل رہے ہیں۔

پھول کی اشاعت کا سلسلہ معطل ہونے کے بعد ہمیں حجاب کی کوئی کہانی کسی بچوں کے رسالے میں چھپی دکھائی نہیں دیتی۔ جہاں تک حجاب کی بچوں کے لیے لکھی کہانیوں کے مجموعی جائزے کا تعلق ہے یہ کہانیاں خوش وقتی کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ان میں کوئی بھی اخلاقی درس پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ بچوں کے لیے ان کہانیوں کا مطالعہ وقت گزاری کا بہترین مشغلہ ہے۔ تاہم بچوں کے ادب کے ارتقا میں حجاب کی ان کہانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جانے چاہیے۔ ان کی لکھی کہانیوں کا سرمایہ اگرچہ مختصر ہے مگر اسے بچوں کے ادب کی تاریخ میں ضرور شامل کیا جانا چاہیے۔

حجاب بحیثیت مترجم

حجاب کے ادبی میزانیے میں ایک انگریزی ناول Little Women کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ لویزا مے الکاٹ کے مذکور ناول کا ترجمہ انہوں نے ''ننھی بیبیاں'' کے زیرِ عنوان کیا۔ پہلی مرتبہ 1968 میں یہ ترجمہ دارالاشاعت پنجاب لاہور کے زیرِاہتمام چھپا اور دوسری مرتبہ 1998 میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔

حجاب جیسی افسانہ نگار اور ناول نگار ادیبہ کے لیے انگریزی کے ایک ناول کا ترجمہ یقیناً ایک امتیاز کی بات ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے آخر ترجمے کے لیے اس ناول کا انتخاب کیوں کیا؟ کوئی بھی ادیب جب عالمی ادبیات میں سے کسی فن پارے کو اپنی زبان میں منتقل کرتا ہے تو اس کے بہت سے محرکات ہوتے ہیں۔ یقیناً لویزے الکاٹ کے ناول Little Women کے اُردو ترجمہ کا محرک حجاب کی اپنی زندگی کے حالات و واقعات ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ حجاب نے لویزا مے الکاٹ کے مذکور ناول کا ترجمہ کرنا کیوں کر پسند کیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ اس ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ اپنے مخصوص ذہنی پس منظر کی وجہ سے خاصی متاثر ہوئیں۔ اس ناول میں وہ کچھ موجود تھا جو انہیں خود زندگی میں میسر نہ آسکا تھا اور جس کی حسرت انہیں عمر بھر رہی۔ بہن بھائی، ایک شفیق والدہ کی طویل رفاقت گھریلو خوشیاں یہ سب کچھ انہیں اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں میسر نہ آسکا۔ یہ سب کچھ اس ناول میں موجود پا کر وہ نفسیاتی طور پر اس سے متاثر ہوئی ہوں گی اس لیے انہوں نے اس ناول کو اُردو میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ حجاب نے اس ناول کے مختلف ابواب کو اُردو میں بہت عمدہ عنوانات دیے۔ مثلاً پہلے باب کا

نام ''زائروں کا کھیل''، چھٹے باب کا عنوان ''بتھ قصر دلکشا میں پہنچتی ہے'' اور بائیسویں باب کا عنوان ''خوش گوار مرغزار'' ہے۔اس کے تئیس ابواب ہیں۔انہوں نے اس کے دیباچہ میں اس ناول کی مصنفہ اور ناول کو یوں متعارف کرایا ہے:

''ننھی بیبیاں کی مصنفہ لویزا اے الکاٹ 1832 میں فلاڈیلفیا (امریکہ) میں پیدا ہوئی تھی۔یہ کتاب انہوں نے 1868 اور 1869 کے درمیان لکھی تھی۔وہ متعدد کتب کی مصنفہ ہیں لیکن بے مثال مقبولیت ننھی بیبیاں کو حاصل ہوئی۔یہ کتاب نہ صرف امریکہ میں مقبول ہوئی بلکہ لڑکیوں لڑکوں کے انگریزی ادب میں کلاسیکی مرتبہ حاصل کر چکی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس ناول کا تعلق امریکہ کے نچلے متوسط طبقے کے خاندان سے ہے۔اس میں وہاں کے اس زمانے کی زندگی کا بہت صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔''(228)

مترجم کو اس ناول کا ترجمہ کرتے ہوئے کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اس حوالے سے وہ دیباچہ میں لکھتی ہیں:

''مجھے اس کتاب کے ترجمہ میں توقع سے زیادہ دشواری پیش آئی۔ایک تو مجھے ترجمے کی مشق نہ تھی دوسرے کتاب میں جا بجا متروک امریکی محاورات تھے۔ان میں سے بعض محاورات کے معنی لغت کی کتابوں میں بھی نہ ملتے تھے جہاں پر انہیں سمجھنے اور مناسب طریق سے اُردو میں ادا کرنے کے لیے کئی امریکن خواتین و حضرات کی امداد لینی پڑی۔''(229)

کتاب کے اسی دیباچہ میں وہ اس امر کا اعتراف بھی کرتی ہیں کہ شوکت تھانوی نے انہیں ناول میں درج نظموں کا سلیس اُردو میں ترجمہ کر کے دیا۔

جب ہم اس ترجمہ کیے گئے ناول کے متن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک بات تو یہ آتی ہے کہ مترجم نے پاورقی (Foot Notes) کی صورت تشریح طلب باتوں کی تشریح کر دی ہے۔اس ناول کے ترجمہ کی ادبی قدر و قیمت متعین کرتے ہوئے ہما نسرین نے یہ رائے دی ہے:

''جہاں تک حجاب امتیاز علی کا تعلق ہے تو وہ ترجمہ کرنے کی اس پہلی کاوش میں کافی حد تک کامیاب دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن کہیں کہیں عبارت سپاٹ نظر آتی ہے۔ ایک تو پہلے ہی ناول اخلاقی وعظ سے بھرا ہوا ہے دوسرے کہیں کہیں ترجمے کا سپاٹ ہونا عبارت کو اور بھی پھیکا بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض جگہوں پر مناسب اور موزوں الفاظ نہ ملنے کے باعث بھی ایک ناگوار احساس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اس سے بہتر لفظ آ سکتا تھا یا پھر اگر کوئی اور لفظ ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ جا بجا استعمال ہونے والے متروک امریکی محاورات بھی نثر کی روانی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ (230)

ہما نسرین نے جس دشواری کا ذکر کیا ہے اس کا اعتراف تو مترجم نے ناول کے دیباچہ میں خود بھی کیا ہے۔ ویسے بھی ہر فن پارے کا ترجمہ اپنے ساتھ ایک نیا مسئلہ لاتا ہے۔ کیونکہ اس کا رابطہ ایک ایسے متن سے ہوتا ہے جو اپنی زبان میں ایک مثالی اہمیت کا حامل ہے۔ ترجمہ یقیناً ایک اہم ادبی اور لسانی مشق ہے۔ جس میں مکمل کامیابی کا دعویٰ ہر مترجم نہیں کر سکتا۔ حجاب طبعی طور پر مترجم نہیں تھیں اور یہ ان کا میدان نہیں تھا۔ اس لیے اگر ان سے کچھ فروگزاشتیں سرزد ہوئی ہیں تو اس کے لیے انہیں موردِ الزام ٹھہرانا ناانصافی ہوگی۔ اُردو ایک ترقی پذیر زبان ہے۔ اس زبان کو یقیناً اچھے ترجموں کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم غیر ملکی معیاری ادب کے ترجمے کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کریں۔ تاہم اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کی تخلیقی ادب کا ترجمہ بھی تخلیقی سطح کا ہونا چاہیے۔ ہمارے نقطہ نظر سے حجاب کا ترجمہ شدہ یہ ناول فن ترجمہ کی مبتدیانہ کوششوں میں شمار ہوگا۔

حجاب امتیاز علی کے فن کے حوالے سے
ناقدین کی آرا

اے۔ حمید

''میں حجاب کو ایملی برونٹے سے کم اہم نہیں سمجھتا۔ برونٹے سسٹرز نے جب لکھنا شروع کیا تو ان کی سمجھنے والے اور ان کو پڑھنے والے یورپ میں موجود تھے۔ حجاب امتیاز علی کو پڑھنے اور اس کو سمجھنے والے سو سال بعد پیدا ہوں گے۔''

کشور ناہید

''میرے نزدیک حجاب کا شمار اُردو افسانہ کے اساس گزاروں میں ہوتا ہے لیکن ناقدینِ ادب نے حجاب کو نظر انداز کیا ہے اور اسے وہ اہمیت نہیں دی جس کی کہ وہ حقدار ہے۔''

نثار عزیز بٹ

''مزاح حجاب کی شخصیت کا ناگزیر حصہ تھا۔ ان کی حسِ مزاح بہت تیز تھی۔ وہ اپنی اس صلاحیت کا اپنی تحریروں اور گفتگوؤں میں بروقت اظہار کرتی تھیں۔ ان کی یادداشت بہت اچھی تھی انہیں فارسی اور اُردو کے بہت اعلیٰ اشعار ازبر تھے اور موقع کی مناسبت سے وہ برمحل اشعار کا حوالہ دیتی تھیں۔

ڈاکٹر احمد سجاد

''حجاب کے افسانوں پر مغرب کے اثرات غالب ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ہاں اظہارِ محبت میں پہل بھی صنفِ نازک کی جانب سے ہوتی ہے۔ حجاب امتیاز نے پُر اسرار قسم کے رومانی افسانے بھی لکھے ہیں اور ان میں شرقی اور مغربی اقدار کا اشتراک پیش کیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد عالم خاں

''حجاب نے خالصتاً شرقی احساسات و جذبات کو مغربی طرز اظہار سے پیش کیا ہے اور ان کی انفرادیت یہی ہے کہ انہوں نے فنِ افسانہ نگاری میں اپنا علیحدہ تشخص وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں ایک تحیر آمیز اداسی' ایک نا آسودہ ذات کے داخلی کرب کو خارجی عناصر سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں نہ تو نیاز فتح پوری کی کلاسیکی رومانیت ہے اور نہ یلدرم کی مشرقی رومانیت بلکہ اس پر مغرب کے رومان کا اثر زیادہ گہرا ہے۔''

ڈاکٹر فردوس انور قاضی

''حجاب کے افسانوں میں جو زیادہ تر فطری حسن کے جلو میں رہ کر تخلیق کیے گئے ہیں مسلسل ایک سوال اُبھرتا ہے۔۔ یہ سب کیا ہے؟ اور اس میں انسان کے وجود کی اہمیت کیا ہے؟ یہ بڑے اہم اور بنیادی سوال ہیں۔ بڑی افسانہ نگاری انہی سوالوں سے شروع ہوتی ہے اور انہی پر ختم ہو جاتی ہے۔ حجاب امتیاز علی کے افسانے اس کائنات میں انسانی وجود کی تنہائی' مجبوری اور کسمپرسی کا احساس دلاتے ہیں۔''

محمود ہاشمی

"میرا خیال ہے اکیسویں صدی میں جب کرشن چندر رومانی افسانہ نگار ہونے کا ٹھپہ لگے گا' شفیق الرحمٰن افسانہ نگاری کی اپنی ابتدائی حیثیت پر براجمان ہوں گے' اکیسویں صدی کی تیسری دہائی پہنچتے پہنچتے کرشن چندر شفیق الرحمٰن اور حجاب امتیاز علی افسانہ نگاری کے رومانوی اسکول کے اہم ستون شمار ہوں گے۔"

حجاب کی ناول نگاری کے بارے میں آرا

سید وقار عظیم

"اندھیرا خواب" میں ناول نگار نے اپنے محبوب پراسرار طلسمی تخیلی اور شاعرانہ ماحول میں بھی انسانی حرکات کی گہری نفسیاتی تاویل اور توجیح کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انسانی عمل اور ردِ عمل محض جسمانی تغیرات کا نتیجہ نہیں ان کے پیچھے ذہنی اُلجھنیں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں۔ "اندھیرا خواب" کے کرداروں پر اور ان کے اعمال و افعال پر فوق الانا اور فرائیڈ کے ایڈی پس کا عکس نمایاں ہے۔"

ڈاکٹر سید جاوید اختر

"حجاب امتیاز علی نے اپنے ناولوں کے لیے اچھوتے موضوع منتخب کیے ہیں۔ ظالم محبت کا موضوع دو دوستوں کی اتھاہ محبت ہے۔ اندھیرا خواب ایک ذاتی کشمکش کا اظہار یہ ہے اور پاگل خانہ سائنس کے ہاتھوں اس دنیا کی تباہی و بربادی کا مرثیہ ہے۔ اگر چہ حجاب امتیاز نے اپنی طویل ادبی زندگی میں دوسرے قلمکاروں کے مقابلے میں بہت کم ناول لکھے ہیں لیکن انہوں نے اپنی انفرادیت اور علیحدہ شناخت کو بہر حال برقرار رکھا ہے۔"

ڈاکٹر ممتاز احمد خان

''حجاب نے پاگل خانہ ناول لکھ کر اس امر کا یقین دلایا ہے کہ ان کے یہاں فکری سطح پر ایک ایسی تبدیلی آئی ہے جو بذاتِ خود اہم ناولوں کی تخلیق کا باعث بن سکتی ہے۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ

''ناول ''اندھیرا خواب'' تحلیل نفسی کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ نفسِ انسانی کے باطنی عوامل کی سراغ رسانی ایک علم بھی ہے اور ایک کہانی بھی۔ علم کو کہانی کے رنگ میں ڈھالنے کا فن ہمارے ہاں ابھی عام نہیں شاذ ہے۔ حجاب نے علم وفن کے اس امتزاج سے فن اور علم دونوں کو وسعت دی ہے۔''

ڈاکٹر میمونہ انصاری

''نفسیات کے ٹھوس اوراق مضمون کو حجاب نے 'اندھیرا خواب' میں قصے کی اساس بنا کر کہانی نویسی میں اپنی چابک دستی کا ثبوت دیا ہے انہوں نے نفسیات کے مختلف پہلوؤں کو کس ریاض سے سمجھا ہے یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کہانی کے مطالبِ لطیف کی ادائیگی میں علمیت سے زیادہ قابلِ توجہ چیز کیفیت ہے۔ جو ادب کا اہم ترین مطالبہ ہے۔ فن کی اس کٹھن منزل پر حجاب پہنچی ہے جہاں اس دور کے بہت کم کہانی نویس پہنچ سکے۔''

حواشی و حوالہ جات

-1	اکبر علی، مکتوب بنام راقم لیور پول انگلینڈ بتاریخ یکم اگست 2001ء
-2	سلمٰی (بھانجی حجاب) مکتوب بنام نعیم طاہر، کراچی تاریخ درج نہیں (مملوکہ راقم)
-3	حجاب امتیاز علی، تصویرِ بتاں، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1998، ص 153
-4	حوالہ نمبر 1
-5	مجیب احمد خان، ڈاکٹر حجاب امتیاز علی فن و شخصیت ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 2000، ص 33
-6	حجاب امتیاز علی تاج، میری ادبی زندگی، مطبوعہ نیرنگِ خیال فلیمنگ روڈ لاہور، دسمبر 67 / جنوری 68، ص 15
-7	راقم کی نعیم طاہر یا سمین طاہر سے ملاقات، بمقام۔ 122۔ بی ماڈل ٹاؤن لاہور تاریخ 17 جون 2001
-8	گوہر نوشاہی، ڈاکٹر سید امتیاز علی تاج۔ شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1999، ص 12
-9	حوالہ نمبر 8۔ ص 18-17
-10	حوالہ نمبر 8۔ ص 20-19
-11	حوالہ نمبر 8۔ ص 51-50-41-39
-12	ابرار احمد عابی حجاب امتیاز علی کی افسانہ نگار مقالہ ایم اے اُردو جامعہ بہاؤ الدین ذکریا ملتان 1988، ص 2
-13	مس انور مرزا، حجاب امتیاز علی کی سوانح، شخصیت اور ادبی خدمات مقالہ ایم اے اُردو جامعہ پنجاب لاہور 1968، ص 3
-14	نسیم بانو، حجاب امتیاز علی کی افسانہ نگاری مقالہ ایم اے اُردو جامعہ پنجاب لاہور 1995، ص۔ 1
-15	حوالہ نمبر 14۔ ص۔ 4
-16	حوالہ نمبر 5۔ ص۔ 33
-17	مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر اُردو افسانے کی روایت، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد 1991، ص۔ 462

علیم صبانویدی (مرتبہ ڈاکٹر جاوید حبیب) خواتین ٹمل ناڈو کی دینی و علمی، ادبی خدمات ٹمل ناڈو پبلی کیشنز چنائی، 2001، ص۔ 47	-18
دونوں دستاویزات کی اصل کاپیاں حجاب کی بیٹی یاسمین طاہر کے پاس موجود ہیں۔	-19
روزنامہ ڈان لاہور 19 مارچ 1999	-20
محمد احمد سبزواری، حجاب امتیاز علی تاج۔ اُردو کی ایک منفرد رومانی ادیبہ، مطبوعہ قومی زبان انجمن ترقی اُردو کراچی، جولائی 2000، ص۔ 11	-21
حوالہ نمبر 5۔ ص۔ 67	-22
حوالہ نمبر 7	-23
اکبر علی سے راقم کی ٹیلی فونک گفتگو بتاریخ 2 ستمبر 2001	-24
حوالہ نمبر 18، ص 47	-25
حوالہ نمبر۔ 24	-26
حوالہ نمبر 3، ص 163	-27
حوالہ نمبر 6، ص 16-15	-28
نثار عزیز بٹ، انٹرویو حجاب امتیاز علی تاج، مطبوعہ ماہِ نو، لاہور جولائی 1988، ص 95	-29
عبدالقدیر رشک، انٹرویو حجاب امتیاز علی تاج مطبوعہ ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور، 23 مئی 1999، ص 14	-30
حوالہ نمبر 13، ص 5	-31
حوالہ نمبر 6، ص 15	-32
حوالہ نمبر 3، ص 154	-33
حجاب امتیاز علی تاج ہفت روزہ فیملی میگزین، 5 نومبر 2000، ص 6-5	-34
حجاب مضمون تہذیب نسواں 29 ستمبر 1928	-35
حوالہ نمبر 6، ص 16-15	-36
حوالہ نمبر 21، ص 10	-37
حوالہ نمبر 8، ص 24-23	-38
محمد احمد سبزواری، مکتوب بنام راقم بتاریخ 17 جون 2002	-39

40-	عبدالمجید سالک، سرگزشت، الفیصل ناشران لاہور، اگست 1992، ص 311
41-	سلیم ملک، ڈاکٹر، سید امتیاز علی تاج زندگی اور فن مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (اُردو) جامعہ کراچی، 1990، ص 34-35
42-	حوالہ نمبر 5، ص 30
43-	حوالہ نمبر 5، ص 31
44-	حوالہ نمبر 7
45-	حوالہ نمبر 3، ص 26
46-	حجاب امتیاز علی تاج، لیل و نہار سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1998، ص 92
47-	حجاب امتیاز علی تاج، موم بتی کے سامنے، آئینہ ادب لاہور 1967، ص 90
48-	حوالہ نمبر 8، ص 110
49-	حوالہ نمبر 8، ص 111
50-	انتظار حسین، چراغوں کا دھواں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1999، ص 281
51-	ناصر بشیر حجاب امتیاز علی ایک تعارفی جائزہ مطبوعہ ماہِ نو، نومبر 1999، ص 6
52-	حوالہ نمبر 51، ص 7
53-	دی نیشن لاہور اداریہ بتاریخ 21 مارچ 1999
54-	حمید اختر، مضمون، حجاب امتیاز علی بھی رخصت ہو گئیں مطبوعہ روزنامہ دن لاہور 24 مارچ 1999
55-	ایم سلطانہ بخش ڈاکٹر مرتبہ (عصمت چغتائی شخصیت اور فن) ورڈ وژن پبلشرز اسلام آباد 1995، ص 172
56-	اجمل نیازی، ڈاکٹر انٹرویو کرنل محمد خان مطبوعہ ادبی ایڈیشن روزنامہ پاکستان لاہور، یکم فروری 1994
57-	حوالہ نمبر 5، ص 20
58-	حوالہ نمبر 5، ص 24
59-	حوالہ نمبر 5، ص 27
60-	فاطمہ علی، یادش بخیر، حیدر آباد دکن، 1989 ص 106
61-	رسالہ The women world اگست 1959، ص 19

-62	ہما نسرین حجاب امتیاز علی کے ناولوں کے کردار کا تنقیدی جائزہ مقالہ ایم اے اُردو جامعہ پنجاب لاہور 1994،ص 9
-63	حوالہ نمبر14،ص15
-64	ایوب ندیم، انٹرویو حجاب امتیاز علی مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت سنڈے میگزین، 17 نومبر 1995
-65	حجاب امتیاز علی، لیل ونہار مطبوعہ رسالہ تہذیب نسواں لاہور ص 509
-66	حوالہ نمبر 65 گ ص 510
-67	حوالہ نمبر 65 گ ص510
-68	حوالہ نمبر65، ص611
-69	حجاب امتیاز علی، پاگل خانہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1995، ص96
-70	حجاب امتیاز علی احتیاطِ عشق سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1994،ص84
-71	حوالہ نمبر3، ص31
-72	حوالہ نمبر3،ص40
-73	حوالہ نمبر3،ص62
-74	حوالہ نمبر3،ص72
-75	حوالہ نمبر46 گ ص31
-76	حوالہ نمبر46،ص37
-77	قرۃ العین حیدر، کارِ جہاں دراز ہے، س۔ن۔ 289
-78	حوالہ نمبر3، ص33
-79	حوالہ نمبر3،ص42
-80	حوالہ نمبر69،ص5
-81	حوالہ نمبر64
-82	حوالہ نمبر64
-83	حجاب امتیاز علی وہ بہاریں یہ خزائیں، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1992،ص57
-84	حوالہ نمبر7

-85	حوالہ نمبر 64
-86	حوالہ نمبر 7
-87	حوالہ نمبر 7
-88	علی طاہر مضمون حجاب امتیاز علی میری نانی میگزین راوی، گورنمنٹ کالج لاہور، اگست 1999، ص 66
-89	شمیم صبا متھرادی، رسالہ قومی زبان کراچی فروری 2000، ص 95
-90	راقم نے یہ تاثرات حجاب کے گھر پر ان کی تعزیتی کتاب سے نوٹ کیے
-91	اداریہ، ڈان لاہور 20 مارچ 1999
-92	روزنامہ جنگ لاہور 4 جون 1999
-93	میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1992، ص 7
-94	حوالہ نمبر 93، ص 33
-95	حوالہ نمبر 93، ص 8
-96	حوالہ نمبر 93، ص 88
-97	حوالہ نمبر 93، ص 86
-98	اسلم انصاری، ڈاکٹر مکتوب بنام راقم بتاریخ 20 اگست 2002
-99	لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے یونائیٹڈ پبلشرز لاہور، 1933، ص 10
-100	حوالہ نمبر 99، ص 95
-101	حوالہ نمبر 99، ص 209
-102	کاونٹ الیاس کی موت اور دوسرے ہیبت ناک افسانے دارالاشاعت پنجاب لاہور 1935، ص 111
-103	ممی خانہ اور دوسرے ہیبت ناک افسانے، یونائیٹڈ پبلشرز لاہور 1935، ص 8-7
-104	حوالہ نمبر 103 ص 26
-105	مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر پاکستان کے شاہکار افسانے الحمرا پبلی کیشنز لاہور، ص 148
-106	کالی حویلی اور دوسری خوفناک کہانیاں، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، 1990، ص 59
-107	حوالہ نمبر 106 گ ص 97
-108	ڈاکٹر محمد عالم خان اُردو افسانے میں رومانی رجحانات علم وعرفان پبلشرز لاہور، ص 208

109-	تہذیب نسواں 13 جولائی 1940
110-	صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان، دارالاشاعت پنجاب لاہور 1939، ص 84
111-	حوالہ نمبر 110، ص 87
112-	انتساب، وہ بہاریں یہ خزائیں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1992
113-	حوالہ نمبر 112، ص 7
114-	حوالہ نمبر 112، ص 76
115-	حوالہ نمبر 112، ص 76
116-	حوالہ نمبر 112، ص 78-77
117-	حوالہ نمبر 112، ص 81
118-	حوالہ نمبر 112، ص 79
119-	حوالہ نمبر 112، ص 82
120-	احتیاطِ عشق سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1994، ص 13
121-	حوالہ نمبر 120، ص 21
122-	حوالہ نمبر 120، ص 25
123-	ایضاً ص 29-28
124-	ایضاً ص 37
125-	شیما مجید بچوں کا ادب اکادمی ادبیات اسلام آباد 1999
126-	فردوس انور قاضی ڈاکٹر اُردو افسانہ نگاری کے رجحانات مکتبہ عالیہ لاہور 1990، ص 184
127-	محمود ہاشمی، کون زندہ رہے گا اور کیسے؟ مطبوعہ سہ ماہی روشنائی کراچی جولائی رستمبر 2003، ص 37
128-	حجاب امتیاز علی، نغماتِ موت، محبوب المطابع برقی پریس دہلی 1932، ص 6
129-	حوالہ نمبر 128، ص 10
130-	حوالہ نمبر 128، ص 15-14
131-	ایضاً ص 16
132-	ایضاً ص 18

-133	ایضاً ص21
-134	ایضاً ص26
-135	ایضاً ص28
-136	ایضاً ص32-31
-137	ایضاً ص34
-138	ایضاً ص34
-139	ایضاً ص36
-140	ایضاً ص43-42
-141	ایضاً حوالہ 48
-142	ایضاً ص51-50
-143	صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1993، ص261
-144	حوالہ نمبر 143، ص263
-145	حوالہ نمبر 143، ص264
-146	ایضاً ص265
-147	ایضاً ص266-265
-148	ایضاً ص 268
-149	ایضاً ص270
-150	ایضاً ص272
-151	ایضاً ص 277
-152	ایضاً ص 278
-153	ایضاً ص 278
-154	ایضاً ص282
-155	ایضاً ص284
-156	ایضاً ص297

-157	ایضاً ص299
-158	ایضاً ص302-301
-159	حوالہ نمبر143 ص308
-160	خلوت کی انجمن دارالاشاعت پنجاب1934 ص7
-161	ایضاً ص8
-162	ایضاً ص9
-163	ایضاً ص15-14
-164	ایضاً ص31-30
-165	ایضاً ص53-52
-166	ایضاً ص84
-167	ایضاً ص133-132
-168	ایضاً ص139
-169	ایضاً ص142-141
-170	سجاد حیدر یلدرم، مقدمہ ظالم محبت
-171	فیض احمد فیض، فلیپ، ظالم محبت
-172	ظالم محبت دارالاشاعت پنجاب لاہور 1952، ص168-167
-173	حوالہ نمبر152، ص26
-174	ایضاً ص111
-175	ایضاً ص 256
-176	ڈاکٹر میمونہ انصاری، تنقیدی رویے، مکتبہ لائبریری لاہور 1989، ص88-87
-177	جاوید اختر سید، ڈاکٹر ناول نگار خواتین (ترقی پسند تحریک سے دور حاضر تک) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1997، ص5
-178	رفیق خاور، تجزیہ، اندھیرا خواب، مطبوعہ ماہ نو کراچی، اپریل 1951، ص62
-179	اندھیرا خواب ص66

180-	ایضاً ص66
181-	ایضاً ص22
182-	ایضاً ص30
183-	ایضاً ص29
184-	ایضاً ص102
185-	وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، اُردو اکیڈمی سندھ کراچی دسمبر 1966ء ص26
186-	حجاب امتیاز علی تاج، مکتوب بنام مرزا حامد بیگ مطبوعہ گل بکاؤلی نگارشات لاہور 2003ء ص182
187-	حوالہ نمبر 3، ص166-165
188-	حجاب امتیاز علی تاج، انتساب، پاگل خانہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1990
189-	مصنفہ کا نوٹ، پاگل خانہ
190-	ناول پاگل خانہ، ص109
191-	ایضاً ص 337
192-	ایضاً ص340-339
193-	ایضاً ص104
194-	ایضاً ص237-236
195-	ایضاً ص228
196-	ایضاً ص59
197-	ایضاً ص124
198-	ایضاً ص134
199-	حوالہ نمبر 177، ص108
200-	حجاب امتیاز علی، کچھ روزنامچہ لیل ونہار کے بارے میں مطبوعہ تہذیب نسواں بابت 6 اپریل 1946ء، ص 214
201-	روزنامچہ لیل ونہار (حجاب) ص215
202-	ایضاً ص6
203-	ایضاً ص22
204-	ایضاً ص32-31

205-	ایضاً ص 121
206-	ایضاً ص 74
207-	ایضاً ص 115
208-	احمد ندیم قاسمی، میرے ہم سفر، اساطیر پبلی کیشنز لاہور 2002، ص 172-171
209--	امتیاز علی تاج، دیباچہ موم بتی کے سامنے آئینہ ادب انارکلی لاہور 1967
210-	حجاب امتیاز علی، موم بتی کے سامنے آئینہ ادب انارکلی لاہور 1967
211-	حوالہ نمبر 210، ص 32
212-	ایضاً ص 24
213-	ایضاً ص 161
214-	حجاب امتیاز علی، انتساب، سوکھے پتے اور دوسرے ڈرامے سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1999
215-	حجاب امتیاز علی انتساب، بہاریں، جنون اور موٹر پمپ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1998
216-	حجاب امتیاز علی، سوکھے پتے اور دوسرے ڈرامے سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1999
217-	حوالہ نمبر 216 ص 13
218-	ایضاً ص 17
219-	ایضاً ص 23
220-	ایضاً ص 49
221-	ایضاً ص 101
222-	ایضاً ص 94
223-	حجاب امتیاز علی، پھول، پھول بلڈنگ گوال منڈی لاہور، اکتوبر، دسمبر 1970، ص 30-15
224-	حوالہ نمبر 223 فروری 1971، ص 10
225-	ایضاً ص 16
226-	ایضاً ص جولائی 1971، ص 23
227-	ایضاً اگست 1971 ص 15
228-	حجاب امتیاز علی تاج، ننھی بیبیاں (ترجمہ (سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1998، ص 5
229-	حوالہ نمبر 228 ص 6
230-	حوالہ نمبر 62 ص 256-255

کتابیات

الف) حجاب امتیاز علی تاج کی مطبوعہ تصانیف

-1	نغماتِ موت (مضامین) محبوب المطالع برقی پریس دہلی بار اول 1932
-2	ادبِ زریں (مضامین) عصمت بک ڈپو، دہلی، بار اول 1932
-3	خلوت کی انجمن (مضامین) دار الاشاعت پنجاب لاہور، بار اول 1934
-4	تصویرِ بتاں (خاکے رمضامین) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، بار دوم 1998
-5	میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان (افسانے) دار الاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1932
-6	لاش اور دوسرے ہیبت ناک افسانے دار الاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1933
-7	کاؤنٹ الیاس کی موت (افسانے) دار الاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1935
-8	تحفے اور دوسرے شگفتہ افسانے دار الاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1939
-9	ممی خانہ اور دوسرے ہیبت ناک افسانے یونائیٹڈ پبلشرز لاہور بار اول 1945
-10	ڈاکٹر گار کے افسانے دار الاشاعت پنجاب لاہور بار اوّل، س۔ن
-11	وہ بہاریں یہ خزائیں (افسانے) دار الاشاعت پنجاب لاہور بار اول 1964
-12	صنوبر کے سائے اور دوسرے رومان (افسانے) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1993
-13	احتیاطِ عشق (افسانے) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1994
-14	کالی حویلی اور دوسری خوفناک کہانیاں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1990

-15	ظالم محبت (ناولٹ) ادارہ تاج حجاب لاہور بار پنجم 1983
-16	اندھیرا خواب (ناول) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1991
-17	پاگل خانہ (ناول) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1990
-18	لیل و نہار (روزنامچہ) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1998
-19	موم بتی کے سامنے (روزنامچہ) آئینۂ ادب لاہور 1967
-20	بہاریں، جنوں اور موٹر پمپ (ڈراما) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور باردوم 1998
-21	سوکھے پتے اور دوسرے ڈرامے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور باردوم 1998
-22	چچا بھتیجیاں (ڈراما) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور باردوم 1998
-23	ننھی بیبیاں (ترجمہ) دارالاشاعت پنجاب لاہور 1968

ب) غیر مطبوعہ تصانیف

-24	وہ طویل روشن گرمیاں (ناول)
-25	لیل و نہار (حصہ دوم) روزنامچہ

ج) دیگر مصنفین کی تصنیفات/تالیفات

-26	احمد پراچہ، پاکستانی اُردو ادب اور اہل قلم خواتین، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 2000
-27	احمد ندیم قاسمی، میرے ہم سفر، اساطیر پبلشرز لاہور 2003
-28	ادا جعفری، جو رہی سو بے خبری رہی، مکتبہ دانیال کراچی 1995
-29	ارتضٰی کریم، اُردو فکشن کی تنقید، تخلیق کار پبلشرز، دہلی 1996
-30	اعجاز راہی، اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1986
-31	انتظار حسین، چراغوں کا دھواں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1999
-32	انتظار حسین، ملاقاتیں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2001

-33	انور سدید ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1991
-34	انوار احمد ڈاکٹر، اُردو افسانہ تحقیق و تنقید، بیکن بکس ملتان۔ س۔ن
-35	جاوید اختر ڈاکٹر، اُردو کی ناول نگار خواتین، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1997
-36	حامد بیگ مرزا ڈاکٹر، اُردو افسانے کی روایت، اکادمی ادبیات اسلام آباد 1992
-37	حامد بیگ مرزا ڈاکٹر، پاکستان کے شاہکار افسانے، الحمد پبلی کیشنز لاہور 1994
-38	سلطانہ بخش ڈاکٹر، عصمت چغتائی شخصیت اور فن، ورڈ ویژن پبلشرز اسلام آباد 1992
-39	سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1984
-40	سلیم آغا قزلباش، جدید اُردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی 2000
-41	شیما مجید (مرتب) پاکستانی ادیبوں کی بہترین کہانیاں، اکادمی ادبیات اسلام آباد 1999
-42	صغیر افراہیم ڈاکٹر، اُردو افسانہ، ترقی پسند تحریک سے قبل، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ 1991،
-43	ضمیر نیازی، زمین کا نوحہ، شہرزاد ریگل کراچی، 2001
-44	طاہر تونسوی ڈاکٹر، صنف نازک کی کہانیاں، الحمد پبلی کیشنز لاہور، 1996
-45	عالم خان ڈاکٹر، اُردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز لاہور، س۔ن
-46	عبادت بریلوی ڈاکٹر، افسانہ اور افسانے کی تنقید، ادارہ ادب و تحقیق لاہور 1986
-47	عبدالمجید سالک، سرگزشت، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، 1993
-48	عبداللہ، ڈاکٹر سید، ادب و فن، اُردو اکیڈمی لاہور، 1987
-49	عصمت جمیل ڈاکٹر، اُردو افسانہ اور عورت، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2001
-50	علیم صبا نویدی، خواتین تمل ناڈو کی دینی و علمی خدمات، تمل ناڈو اُردو پبلی کیشنز، چنائی 2001

-51	غلام عباس، سجاد کامران، اخبار پھول کی 48 سال کی جلدوں کا انتخاب، فضل سنز، کراچی 2000
-52	فاطمہ عالم علی، یادش بخیر، حیدرآباد دکن، 1989
-53	فردوس انور قاضی ڈاکٹر، اُردو افسانہ نگاری کے رُجحانات مکتبہ عالیہ لاہور، 1990
-54	فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو افسانہ اور افسانہ گار، اُردو اکیڈمی کراچی 1983
-55	قرۃ العین حیدر، کارِ جہاں دراز ہے، یونیورسٹی میتھو پریس، دہلی، 1977
-56	گوہر نوشاہی ڈاکٹر، سید امتیاز علی تاج، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات، اسلام آباد 1999
-57	محمد خان اشرف ڈاکٹر، رومانویت اور اُردو ادب میں رومانوی تحریک، الوتار پبلی کیشنز لاہور 1998
-58	محمود ہاشمی، یہ شاعر وافسانہ نویس، الفیصل پبلشرز، اُردو بازار لاہور، 2003
-59	ممتاز احمد خان ڈاکٹر، اُردو ناول کے بدلتے تناظر ویلکم بک پورٹ کراچی، 1993
-60	نیلم فرزانہ، اُردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، ایم اے آفسٹ پرنٹرز دہلی، 1992
-61	وقار عظیم سید، داستان سے افسانے تک، اُردو اکیڈمی سندھ کراچی، 1966

د) تحقیقی مقالات

-62	انور مرزا، حجاب امتیاز علی تاج، سوانح شخصیت اُردو ادبی خدمات (مقالہ ایم اے اُردو)
-63	عبدالحفیظ، سید امتیاز علی تاج حیات اور کارنامے، (ایم اے اُردو)، جامعہ پنجاب لاہور 1971
-64	صوفیہ تبسم، رومانی دور کے افسانہ نگار، (ایم اے اُردو) جامعہ پنجاب لاہور 1972
-65	فریدہ انجم، پاکستانی خواتین کی افسانہ نگاری (ایم اے اُردو) جامعہ پنجاب لاہور، 1973
-66	الماس فاطمہ، اُردو افسانہ 1914 سے 1934 تک (ایم اے اُردو) جامعہ پنجاب لاہور 1977

-67	شمیم ظفر رانا، پاکستان کی نمائندہ افسانہ نگار خواتین، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان (ایم اے اُردو)، 1987
-68	ابرار احمد عابی، حجاب امتیاز علی کی افسانہ نگاری (ایم اے اُردو) بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان 1988
-69	نسیم بانو، حجاب امتیاز علی کی افسانہ نگاری (ایم اے اُردو) جامعہ پنجاب لاہور، 1995
-70	ہُما نسرین، حجاب امتیاز علی کے ناولوں کے کردار (ایم اے اُردو) جامعہ پنجاب لاہور 1996
-71	مجیب احمد خان ڈاکٹر، حجاب امتیاز علی فن اور شخصیت (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی اُردو) دہلی یونیورسٹی 2000
-72	سلیم ملک ڈاکٹر، سید امتیاز علی تاج زندگی اور فن (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی اُردو) جامعہ کراچی 1990

ر) رسائل و جرائد

-73	تہذیب نسواں لاہور، اکتوبر 1927 تا جولائی 1947
-74	ساقی کراچی، فروری 1928 تا سالنامہ 1956
-75	نیرنگ خیال راولپنڈی، سالنامہ 1929 تا سالنامہ 1984
-76	ماہِ نو کراچی، مارچ 1950 تا نومبر 1958
-77	ماہِ نو لاہور، جولائی 1988 تا نومبر 1999
-78	نقوش لاہور، اپریل 1932 تا ستمبر 1965
-79	عصمت کراچی، ستمبر 1967 تا جون 1986
-80	پھول لاہور، مارچ 1963 تا اگست 1971

ز) اخبارات (اُردو/انگریزی)

-81	روزنامہ مشرق لاہور، 16 مارچ 1975
-82	روزنامہ امروز لاہور، 23 مارچ 1983
-83	روزنامہ نوائے وقت لاہور، 25 جولائی 1991
-84	روزنامہ نوائے لاہور (جمعہ میگزین) 15 جون 1995
-85	روزنامہ نوائے وقت لاہور (سنڈے میگزین) 17 نومبر 1995
-86	روزنامہ جنگ لاہور 19 مارچ 1999
-87	روزنامہ جنگ لاہور 20 مارچ 1999
-88	روزنامہ پاکستان لاہور 7 اپریل 1999
-89	The Nation Lahore، 19 مارچ 1999
-90	The Dawn Lahore، 19 مارچ 1999

س) ملاقاتیں

-91	خلیل الرحمٰن داودی بمقام گلشن راوی لاہور بتاریخ 3 مارچ 2000
-92	انتظار حسین بمقام جیل روڈ لاہور بتاریخ 20 اگست 2000
-93	کشور ناہید بمقام حواکرافٹس سپر مارکیٹ اسلام آباد بتاریخ 13 اپریل 2001
-94	مشفق خواجہ بمقام ناظم آباد کراچی بتاریخ 16 جولائی 2001
-95	اکبر علی (ٹیلی فونک گفتگو) لیورپول انگلینڈ بتاریخ 2 ستمبر 2001

ش) مکاتیب

-96	اکبر علی بنام راقم بتاریخ یکم اگست 2001
-97	ڈاکٹر اسلم انصاری بنام راقم بتاریخ 20 اگست 2002
-98	ڈاکٹر مرزا حامد بیگ بنام راقم تاریخ ندارد